اے۔بی۔سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن و سنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر دارالعلوم : ۴ | فون نمبر رہائش : ۲

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۱۹ | جمادی الثانی ۱۴۰۴ھ

شمارہ نمبر : ۶ | مدیر : سمیع الحق | مارچ ۱۹۸۴ء

اس شمارہ میں

بدل اشتراک

پاکستان میں سالانہ	-/۳۵ روپے
فی پرچہ	۳/۵۰ روپے
بیرون ملک سالانہ عام ڈاک	۴ پونڈ
ہوائی ڈاک	۷ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

موجودہ حکومت اسلامی نظام کے نفاذ کے اعلانات اور دعووں پر شدّومد سے زور دے رہی ہے مگر نفاذِ اسلام کی جانب پیش رفت کی جو رفتار ہے وہ نہ صرف غیروں بلکہ اپنوں کی نظر میں بھی نہایت مایوس کن ہوتی جارہی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ نفاذِ اسلام اور اسلامی قوانین کے سلسلہ میں جو طریق کار اختیار کیا جاتا ہے اور جس کے نتیجہ میں ہر ہر قدم پہ جو رکاوٹیں سامنے آتی رہتی ہیں انہیں دیکھ کر کبھی کبھی ہم سب یہ سوچنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں کہ کیا یہ سب کچھ جان بوجھ کر تو نہیں کیا جارہا کہ سیدھا، مختصر اور صاف راستہ چھوڑ کر پُرپیچ اور خمدار راستوں اور رکاوٹوں سے بھرپور بھول بھلیوں میں ڈال ڈال کر اصل مقصد تک جلد پہنچنے سے گریز ہو رہا ہے —— اس صورتحال کی ایک واضح مثال دیت وقصاص سے متعلق مجوزّہ مسوّدہ آرڈیننس کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ حدود وتعزیرات کے نفاذ کے بعد انسانی جان اور جسم سے متعلق جرائم، قتل اور جروح کے قصاص دیت اور سزاؤں کے بارہ میں حکومت نے اسلامی نظریاتی کونسل کو اسلامی قوانین مرتب کرنے پر مامور کیا غالباً ۱۹۷۸ء سے اس پر کام شروع ہوا ملک کے مختلف مکاتب فکر کے علماء، وکلاء اور ماہرین قانون نے (جو کونسل میں شامل تھے) اسے مرتب کیا اور پھر رائے عامہ کے لیے مشتہر بھی کیا گیا۔ ہزاروں تجاویز وترامیم اور مشوروں کے بعد اسے آخری شکل دی گئی پھر یہ مسوّدہ وزارت قانون سے ہوتے ہوئے وفاقی کونسل مجلس شوریٰ میں آیا، مجلس شوریٰ کے چیئرمین نے اسے شوریٰ کی اسلامائزیشن کمیٹی (جو مجلس شوریٰ کے پہلے اجلاس میں نفاذِ اسلام کی رفتار کو تیز تر کر دینے سے متعلق میری قرارداد کے نتیجہ میں قائم ہوئی تھی) کے حوالہ کر دیا کہ وہ اس پر اپنی سفارشات پیش کرے۔ کئی ہفتے اس کمیٹی کے اجلاس ہوتے رہے، یہاں سے سفارشات گئیں تو پھر مسوّدہ وزارتِ مذہبی امور کی ایک خصوصی کمیٹی کے پاس بھیجا گیا۔ یہاں بھی کئی اجلاس اور میٹنگوں کے صبر آزما مراحل سے گذرتے ہوئے بالآخر یہ مسوّدہ دونوں کمیٹیوں کی سفارشات کے ساتھ مجلس شوریٰ کے ایجنڈا پر رکھ دیا گیا۔ تعویق والتواء کے ایسے ہر ہر مرحلہ پر ناچیز نے فریضۂ دینی سمجھ کر اپنے احتجاج کا اظہار کیا کوئی کان دھرتا یا نہیں مگر اپنا اختلاف ریکارڈ کرا ہی لیتا بسا اوقات ایوان کے کچھ دوست میرے اس طرزِ عمل کی تائید نہ کرتے اور اسے جذباتی اور غیر معقول قرار دیتے مگر میرا مقصد اوّل وآخر یہی رہا کہ جب ہم نفاذِ اسلام کا اعلان کرتے نہیں تھکتے تو ہمیں اس سمت میں کئے جانے والے اقدامات تعویق اور تاخیر والتواء کے نہ ختم ہونے والے چکر میں نہیں ڈالنے چاہئیں۔ یہ بھانت بھانت کی کمیٹیاں تو کسی اسلامی مسوّدہ کی رہی سہی شکل مسخ کر دینے کے لئے ہوتی ہیں، جبکہ طریق کار کا نام حکمتِ عملی تدریج

اور کیا کیا رکھ دیا جاتا ہے۔ مجلس شوریٰ کے پچھلے آٹھویں اجلاس میں یہ مسودہ سامنے آیا تو مجلس شوریٰ کے محترم چیئرمین نے پھر ایک اعلان دہرایا کہ مسودہ آرڈیننس دونوں کمیٹیوں کی سفارشات کے ساتھ مجلس شوریٰ کی ایک سلیکٹ کمیٹی کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ ان میں ہم آہنگی پیدا کر سکے۔ احقر راقم الحروف نے اس دفعہ پھر اُٹھ اُٹھ کر اس پر شدید احتجاج کیا اور اصرار کرتا رہا کہ اب اصل مسودہ دونوں سفارشات کے ساتھ ایوان کے سامنے رکھ دیا جائے مگر یہ آواز نقار خانے میں طوطی کی صدا ثابت ہوئی، مسودہ اجلاس میں زیر بحث نہ آسکا اور سلیکٹ کمیٹی جس کے چیئرمین ایک ایڈوکیٹ جناب چوہدری الطاف حسین صاحب نامزد کئے گئے تھے، اور جن کی افتادِ طبع اور اسلامی قوانین کے سلسلہ میں خاص زاویۂ نظر اور طرزِ عمل کا پورے ایوان کو پچھلے ڈیڑھ دو سال میں قانونِ شفعہ قانونِ شہادت، قاضی کورٹ آرڈیننس وغیرہ کے دوران بخوبی اندازہ ہو چکا تھا۔ مگر یہاں تو وہی ہم میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب ـــ والی کیفیت تھی کمیٹی میں ایک اور محترم وکیل صاحب اور دو محترم خواتین شامل تھیں اور دو ہمارے فاضل علماءِ کرام بھی شریک کئے گئے۔ آٹھویں اجلاس کے دوران کمیٹی کام مکمل نہ کر سکی اور دوبارہ وقت کی توسیع کر دی گئی۔ حالیہ نواں اجلاس جس کا بنیادی مقصد ہی دیت وقصاص کے مسودہ کو زیرِ بحث لاکر اسے آخری شکل میں پاس کرنا تھا۔ جب اس کمیٹی کا مسودہ سامنے آیا تو ایوان کی اکثریت بالخصوص علماءِ کرام اور اسلامی درد رکھنے والے ارکان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ پچھلے سارے سفارشات اور اصل مسودہ کو یکسر نظر انداز کر کے کمیٹی کے نام پر اس کے چیئرمین نے ایک ایسی چیز ایوان میں پیش کر دی ہے جو نہ صرف یہ کہ اسلامی قوانین واحکام سے ہم آہنگ نہیں بلکہ اس میں جگہ بہ جگہ اسلامی قوانین و احکام کے ناقابلِ عمل ہونے اس کے جاہلانہ رسوم و رواج پر مبنی ہونے کے ناروا اور بے جا تاثرات کا اظہار بھی تھا۔ دیت وقصاص سے متعلق ہر اہم فقہی اور اسلامی قانون از قسم عاقلہ، قسامۃ، دیت، قصاص کو امت کے ہاں متنازعہ اور مختلف فیہ بنانے کی سعیِ نامشکور کی گئی تھی، اور کہیں نہ کہیں سے اختلافی قول ڈھونڈ کر اجماعی مسائل کو اختلافی بنا کر سامنے رکھا گیا اور اس کے متبادل اپنے ہاں کے موروثی تعزیراتِ ہند (جو اشربوا فی قلوبہم العجل۔ کی طرح دل و دماغ، علم و فکر میں رچ بس گئی ہیں،) کی حسن وخوبی بیان کر کے انہیں برقرار رکھنے کی سفارش کی گئی تھی۔ یہ مسودہ ہرگز اس قابل نہیں تھا کہ اسلامی نظام کے دعووں پر مبنی ایک مجلس شوریٰ اسے زیرِ غور بھی لائے۔ چنانچہ ہم لوگوں نے شد و مد سے یہی موقف اختیار کیا اور اس کمیٹی کے سات میں سے تین فاضل ارکان مولانا قاضی عبداللطیف مولانا مفتی محمد حسین نعیمی اور بلوچستان کے آغا سید حسین ہزارہ صاحب نے اس امر پر شدید احتجاج کیا کہ رپورٹ میں ہم تینوں کی اختلافی آراء اور نوٹس کو یکسر نظر انداز کر کے چیئرمین کمیٹی نے من گھڑت خیالات کو ہم سب کے سر منڈھنے کی سعی کی ہے اس لئے یہ ہماری رپورٹ ہی نہیں فیصلہ یہی ہوا کہ اگر الطاف کمیٹی کی یہ رپورٹ زیرِ بحث لائی گئی تو ہم بحث سے بالکلیہ بائیکاٹ کریں گے۔ نتیجۃً ایک تعطل اور بحران کی کیفیت جو ہمارے اس موقف کے

بعد لازمی تھی پیدا ہوگئی آخر یہی فیصلہ ہوا کہ تینوں ارکان اپنا اختلافی نوٹ آج رات تک لکھ کر پیش کر دیں جو اس رپورٹ کا ایک حصہ قرار پائے گا اور دونوں چیزیں ایوان کے سامنے رہیں گی۔ اس مرحلہ پر یہی مناسب ہوا کہ رپورٹ کے سارے اختلافی مقامات پر جامع رپورٹ لکھی جائے اور رپورٹ میں اٹھائے گئے نہایت نامناسب نکات کا شافی جواب تیار کیا جائے کہ باطل کے ساتھ حق بھی ریکارڈ پر آجائے۔ بحمداللہ وقت کی تنگی کے باوجود رات بارہ بجے تک ایک مبسوط جامع اور اختلافی رپورٹ تیار کر دی گئی جس میں اٹھائے گئے ہر ہر نامناسب غیر اسلامی بات کا موثر جواب موجود تھا یہ رپورٹ دوسرے دن ایوان میں چھپ کر پیش ہوگئی جو اخبارات میں بھی شائع ہوئی مگر اس کے بعد بھی ہم سب کا موقف یہی تھا کہ الطاف کمیٹی کی رپورٹ یکسر مسترد کر دی جائے اور ایسے غیر اسلامی مسودہ کو پیش کرنے کا حق نہ تو کسی سلیکٹ کمیٹی کو پہنچتا ہے نہ حکومت کو اس جسارت کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ الحمدللہ کہ نہایت رد و کد، مذاکرات اور بحث و تمحیص کے بعد بالآخر خود صدر محترم کی مداخلت اور سلسلہ جنبانی کے بعد اس موقف میں کامیابی ہوئی اور فیصلہ ہوا کہ یہ رپورٹ ایوان میں زیر بحث نہ آئے اور پچھلی تمام کمیٹیوں کے اصل مسودہ کے بارہ میں سفارشات کو سامنے رکھ کر ایک متفقہ مسودہ تیار کیا جائے اس مقصد کے لئے ایک خصوصی کمیٹی جناب راجہ ظفر الحق وزیر اطلاعات و مذہبی امور کی سرکردگی میں قائم کر دی گئی۔ جو پچھلی تمام کمیٹیوں کے ارکان بشمول اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین پر مشتمل تھی اس کمیٹی کو تین دن کی مہلت دی گئی۔ اور ایک الگ ہال میں کمیٹی نے کام شروع کر دیا۔ اصل اسلامی مسودہ سے اختلاف رکھنے والے وکلاء بعض غیر مسلم ارکان اور خواتین بھی بڑی تعداد میں اس خصوصی کمیٹی میں شامل تھیں اور تاثر یہی دیا جا رہا تھا۔ کہ اسلامی قوانین کے نفاذ کا کام اس دور میں ناممکن ہے۔ مگر الحمدللہ کہ علماء اور دینی درد رکھنے والے ارکان کے صبر و حوصلہ اور جناب چیئرمین راجہ ظفر الحق کے تدبر فہم فراست اور معاملہ فہمی کی وجہ سے رفتارِ کار میں تیزی آتی گئی اور بالآخر سات آٹھ دن کی میٹنگوں کے بعد جو مجموعی طور پر پچپن، ساٹھ گھنٹوں پر مشتمل تھیں دیت و قصاص کا مسودہ اصل اسلامی شکل میں تقریباً متفقہ یا غالب ارکانِ کمیٹی کی مفاہمت سے مکمل کر دیا گیا اور اسے اب مجلس شوریٰ کے اگلے اجلاس میں پیش کر دیا جائے گا۔

یہ ایک مختصر جائزہ تھا جو اسلامی قوانین کی راہ میں حائل رکاوٹوں کے ایک نمونہ کے طور پر قارئین کے سامنے رکھا گیا ہے۔ اصولی طور پر ہمارا موقف اور رائے یہی ہے کہ اسلامی قوانین اگر نافذ کرنے ہیں تو اس کیلئے یہ طول طویل راستہ ہرگز ہمیں مقصد سے ہمکنار نہیں کر سکتا بلکہ اس کیلئے ایمان و یقین اور جرأتِ مومنانہ کی ضرورت ہے۔ اسلامی قوانین سے خوش نہ ہونے والے ہر ہر طبقہ کو ساتھ ساتھ لیکر چلنے کی پالیسی سے افسوس کہ بہت وقت ضائع کر دیا گیا ہے۔ معلوم نہیں خدائے جبار و قہار کی دی گئی مہلت کب ختم ہو جائے اور اسلام کے نفاذ کے بلند بانگ دعوے کرنے والے کفِ افسوس ملتے ہی رہ جائیں۔ (لا فعلها الله)

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

ازافادات مولانا سمیع الحق — ضبط وترتیب: مولوی شفیع اللہ پشاوری شریک دورۂ حدیث دارالعلوم حقانیہ

امام دارالہجرۃ — مالک بن انسؒ اور انکی موطائ مالکؒ

مصنف — تصنیف — اور — راوی

استادِ محترم مولانا سمیع الحق صاحب نے دورۂ حدیث کی ایک اہم کتاب موطا امام مالک کے درس کے پہلے دو دن امام مالکؒ ان کی تصنیف اور راویٔ موطا امام یحییٰ مصمودی کی سوانح اور علمی حیثیت پر مفصل اور سیر حاصل روشنی ڈالی جسے بعد میں احقر نے ٹیپ ریکارڈ سے من وعن قلمبند کرنے کی سعی کی۔ ایک عظیم امام مذہب کے حالات ویسے بھی عمومی افادیت کے حامل ہیں مگر ان دنوں جبکہ مدارس عربیہ کے طلبۂ دورۂ حدیث سالانہ امتحان وفاق المدارس کی تیاریوں میں مصروف ہیں اور مصنفین دورۂ حدیث کے بارہ میں سوالات بھی آسکتے ہیں، خاص طور پر ایسے طلبہ کیلئے یہ مضمون الحق کا ایک علمی تحفہ ثابت ہوگا۔

(شفیع اللہ۔ پشاوری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین۔

"وقوت الصلوٰۃ": حدثنا یحیی بن یحیی قال اخبرنا مالک بن انس عن ابن شہاب ان عمر بن عبدالعزیز اخر الصلوٰۃ یومًا الحدیث الی آخرہ

اس کتاب کا نام موطا امام مالک ہے۔ یہاں چند امور "زیرغور" ہیں۔ ایک موطا یعنی کتاب کی وجہ تسمیہ اس کی خصوصیات اور محدثین کے ہاں اس کی قدر ومنزلت اور اس کی تدوین وترتیب کے متعلق بیان یہ گویا کتاب سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسری بات مصنف (امام مالکؒ) کی مختصر سوانح اور ان کا مقام ومرتبہ۔ تیسری چیز پیش نظر موطا کے راوی حضرت یحییٰ بن یحییٰ مصمودی الاندلسی کے متعلق کچھ بیان ہوگا۔ گویا تین باتیں ہیں (۱) کتاب کے متعلق (۲) مصنف کتاب کے متعلق (۳) راوی کتاب کے متعلق۔ یہاں آغاز سند میں تم نے حدثنا یحییٰ بن یحییٰ الخ پڑھ لیا تو یہ یحییٰ بن یحییٰ کون ہیں؟ وقت مختصر ہے لیکن مختصراً ایک دو اسباق میں۔ یہ چیزیں بیان ہوں گی جس کو ملحوظ رکھیں کیونکہ امتحان میں کبھی کتاب اور مصنف کے بارے میں پوچھا جاتا ہے مقصد یہ نہیں کہ ہم صرف ایسے مقامات پر محنت کریں اور اسے کسی طرح یاد کرکے پرچے میں منتقل کردیں یہ وبا بڑی عام ہورہی ہے کہ صرف مشکل مقامات سن کر تحریر کریں۔ اور پھر کسی طرح پرچوں میں منتقل کریں۔

پہلے صرف یونیورسٹیوں اور کالجوں میں یہ وبا تھی کہ امتحان کے قریب راتوں کو جاگ کر جلد جلد کچھ ذہن نشین کرکے اور اسے کسی طرح ٹھونس کر صبح پرچوں میں منتقل کردیا۔ پھر نہ فہم نہ یاد تو اس طرح کرنے سے علم حاصل نہیں ہوتا جیسے کوئی جانور جلدی جلدی ہڑپ کرتا جائے پھر اسے قے کرکے باہر پھینک دے تو ہمارے مدارس میں رفتہ رفتہ ایسی عادتیں عام ہورہی ہیں۔ اسباق میں حاضر نہیں ہوتے دو دو تین تین مہینے قبل ناغے شروع ہوجاتے ہیں۔ یہ افسوس کی بات ہے احادیث پڑھنے کا مطلب تو سماع ہے (یا شیخ کو سنانا یا شیخ سے سننا) اور سند متصل کرانا ہے چودہ سو سال سے اسی لئے یہ سلسلہ جاری ہے۔ بہرحال امام مالک ایک بڑے مذہب کے امام ہیں تو ویسے بھی ان کے حالات سے واقفیت اہل علم

کے لئے ضروری ہے۔

نام ونسب | الامام مالک بن انس بن مالکؒ جلیل القدر تابعی ہیں۔ روی عن عثمان وغیرہ صحاح ستہ کے رواۃ میں
ہیں) ابن ابی عامر (ابو عامر نے یمن سے آکر مدینہ میں سکونت اختیار فرمائی۔ محدثین میں علامہ ذہبی وغیرہ نے ان کی صحابیت سے
انکار کر دیا ہے۔ لیکن بعض کہتے ہیں کہ ابو عامر صحابی ہیں۔ شہد الغزوات مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم سوٰی بدر۔ یہ
ابو عامر امام مالکؒ کے جدّ اعلیٰ (پردادا) ہیں۔ اور خاندان میں سب سے پہلے آپ مشرف بہ اسلام ہوئے)
ابن عمر بن الحارث ابن غیمان ابن خثیل (غیر معروف قول میں جثیل بالجیم بھی آیا ہے لیکن وہ شاذ قول ہے)
بن عمرو بن الحارث ذی اصبح　۔اصبح ایک مشہور قبیلہ ہے۔ جو یعرب بن قحطان کے شاخوں میں سے ایک
شاخ ہے جو حمیر کے شاخوں میں سے ہے۔ اسی وجہ سے امام مالکؒ کو اصبحی کہتے ہیں۔ یہ شجرہ نسب ہے۔

ولادت اور وفات | امام یافعی نے طبقات الفقہاء میں ۹۳ھ پیدائش لکھی ہے۔ مورخ ابن خلکان نے
۹۵ھ لکھی ہے۔ تیسرا قول ۹۰ھ کا بھی ہے۔ گویا تین اقوال ہیں۔ اور زیادہ راجح قول اول ہے۔ اور انتقال ربیع الاول
۱۷۹ھ میں فرمایا۔ اختلاف روایات کی وجہ سے چھیاسی۸۶۔ چوراسی۸۴ اور نواسی۸۹ برس کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات
پائی۔ اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ آپ کی پیدائش اور وفات کی تاریخ ایک شاعر نے نظم میں جمع کی ہے۔

فخر الائمۃ مالک　　نعم الامام السالک
مولدہ "نجم ہدیٰ" ۹۳　　وفاتہ "فاز مالک" ۱۷۹

طلب علم کی حرص | طلب علم کی بڑی حرص تھی۔ طالب علمی میں غربت کی حالت تھی۔ ظاہری سرمایہ کچھ نہ تھا۔ والد ماجد
سے صرف ایک مکان رہ گیا تھا۔ اس لئے مکان کی چھت توڑ کر اس کی کڑیوں، کھڑکیوں اور شہتیروں کو فروخت کر کے کتابیں
خریدیں اور طالب علمی کی ضروریات پوری کیں۔ ایسی حالت میں انہوں نے ذوق وشوق سے علم حاصل کیا۔ اور کیسے اکابر سے
حاصل کیا؟

مشائخ واساتذہ | ان کے اکثر مشائخ واساتذہ مدینہ منورہ کے ہیں (کلھم مدنیون) کچھ غیر مدنی بھی ہیں۔
بہرحال امام مالکؒ کے سب سے بڑے استاد امام القراء حضرت نافع بن عبدالرحمٰن مولیٰ بن عمرؓ المتوفی ۱۱۷ھ تھے۔ امام
مالک خود فرماتے ہیں کنت آتی نافعاً وانا غلام حدیث السن　میں حضرت نافعؒ کے پاس آیا کرتا تھا اور میں کم سن
لڑکا تھا نوعمری میں حضرت نافعؒ کا تلمذ اختیار کیا۔ درس کو آتا جاتا تھا ان کی وفات تک بارہ برس ان کے درس میں
شریک رہا۔ اس وجہ سے محدثین کے ہاں یہ سنہری سند ہے　مالک عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم
محدثین کی اصطلاح میں اس کو سلسلۃ الذہب کہا جاتا ہے۔ سندوں میں یہ سنہری سلسلہ سند ہے۔ یعنی سونے کی
زنجیر کی طرح بیش قیمت۔ مختصر یہ کہ تعلیمی زندگی تمام مدینہ منورہ میں گذری۔ اس لئے کہ مدینہ منورہ علوم کا مرکز اور دارالعلوم تھا
دنیا کے گوشے گوشے سے اہل علم وفضل مدینہ منورہ آتے جاتے تھے۔ اس وجہ سے امام مالک نے طالب علمی میں سفر علم نہیں
کیا۔ کیونکہ مدینہ طیبہ دنیا کا سب سے عظیم دارالعلوم تھا۔ اور جب گھر میں دارالعلوم ہو تو باہر جانے کی کیا حاجت ہے۔

توامام مالکؒ نے سارے علوم مدینہ منورہ میں حاصل کیئے۔ کہا جاتا ہے کہ عن خمس ۹۵ وتسعین مشایخاً کلھم مدنیون غیرالستۃ (امام مالک نے جن شیوخ سے روایت کی ہے ان کی تعداد پچانوے ہے یہ سب اساتذہ مدنی ہیں۔ ان میں صرف چھ غیر مدنی ہیں۔ مگر یہ صرف موطا کے شیوخ کی تعداد ہے۔ ورنہ علامہ زرقانی نے نوسو (۹۰۰) سے بھی زائد تعداد بتائی ہے۔ لیکن زیادہ تر موطا کے شیوخ کی استقصا کی گئی ہے۔ اوران کے حالات محفوظ ہوئے ہیں۔

علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ نے سترہ سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں درس و تدریس کا آغاز کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کم عمری میں اس مقام کو پہنچے کہ لوگوں نے استفادہ اور تعلیم حاصل کی۔ نوعمری میں ان کی ذہانت اور ظرافت کا ہر طرف چرچا ہوگیا۔ مشکل سے مشکل مسائل پیش آتے تھے جو بڑے بڑے علماء اور مشائخ سے حل نہ ہو سکتے تو امام مالک اپنی ذہانت و حذاقت اور تبحر و تعمق سے اسے حل فرمادیتے۔ ان دنوں مدینہ منورہ میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک نیک اور پاک دامن خاتون کا انتقال ہوگیا تو جب ایک غاسلہ غسل دے رہی تھی عورتیں تو ہوتی ہیں کم عقل اور غیر محتاط مخلوق تو جب میت کو استنجا کرارہی تھی اور میت کی شرمگاہ پر ہاتھ رکھ کر اس ظالم عورت نے کہا۔ کہ یہ کتنا زناکار فرج ہے۔ لکھا ہے کہ یہ کہتے ہی اس حالت میں اس کا ہاتھ فرج سے چپک گیا۔ لوگوں نے اسے الگ کرنے کی کوشش کی لیکن ہاتھ جدا نہ ہوا۔ اس واقعہ کو بڑے بڑے علماء اور مشائخ کی خدمت میں پیش کیا گیا لیکن سب کے سب عاجز رہے اور کسی سے بھی یہ مسئلہ حل نہ ہو سکا۔ بالآخر یہ بات امام مالکؒ تک پہنچی۔ جو اس وقت سترہ اٹھارہ برس کے تھے۔ آپ نے حالات سن کر فرمایا کہ اس غاسلہ (غسل دینے والی) کو حد قذف لگائی جائے۔ ان کے ارشاد کے مطابق عمل کیا گیا۔ اور آخری درّہ لگنے پر ہاتھ فرج سے الگ ہوگیا۔ اب یہ حکم زندوں کے لئے تو منزور ہے لیکن مُردوں کے لئے ایسی حالت میں امام مالک کا استنباط ان کی ذہانت اور حذاقت کی دلیل تھی۔ اسی روز سے مدینہ منورہ میں امام مالکؒ کا چرچا اور شہرت ہوگئی۔ اور لوگوں کے دلوں میں امام صاحب کی وقعت بڑھ گئی۔

<u>حلیہ، لباس و عادات</u> حلیہ مبارک کے بارہ میں مطرف بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ کان جسیماً آپ موٹے بدن والے طویلاً دراز قامت عظیم الھامۃ سر کی عظمت دماغی قوتوں میں زیادہ ممد ہوتی ہے۔ شمائل نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی عظیم الہامہ آیا ہے۔ اصلع پیشانی میں سر کے بال کم تھے۔ اور حضرت عمر و حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی اصلع تھے۔ بعض دفعہ یہ بات موروثی اور خاندانی ہوتی ہے۔ اور اکثر غم و فکر اور عظیم ذمہ داریوں اور دماغی کاموں کی وجہ سے ہو جاتی ہے۔ ابیض الرأس و اللحیۃ آخری عمر میں سر اور داڑھی کے بال سفید تھے۔ عظیم اللحیۃ داڑھی گنجان اور لمبی تھی۔ یقص الشارب مونچھوں کو جو لبوں کے کنارے ہوتے تھے کتروا تے تھے وکان یکرہ حلق الشارب اور مونچھ منڈوانا مکروہ سمجھتے تھے۔ اور منڈوانے کو مثلہ اور تغیر خلق اللہ قرار دیتے تھے۔ ویبقی السبالتین اور مونچھوں کو باقی رکھتے تھے۔ اور اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پیروی کرتے تھے۔ جو مجاہدوں اور بہادروں کی نشانی

ہے حضرت عمرؓ کے بارہ میں بھی ایسا ہی منقول ہے۔ ان عمر رضی اللہ عنہ کان یفتل سبلتہ اذا اھمہ امر
حضرت عمرؓ کو جب کوئی پریشانی یا اہم واقعہ پیش آتا۔ تو اپنی مونچھوں کو تاؤ دیا کرتے تھے۔ ادھر مونچھ کو تاؤ دیا اور
اُدھر قیصر و کسریٰ کے ایوان لرز اٹھتے اور اللہ کے دشمنوں پر قیامت آ جاتی کہ اب اللہ کی تلوار نیام سے نکلنے والی
ہے۔ امام مالکؒ کے بارہ میں یہ بھی ہے کہ کان من احسن الناس وجہا۔ سب لوگوں میں خوبصورت ترین۔ عادات مبارکہ میں یہ
بھی ہے کہ بہت خوش پوشاک تھے۔ ظاہری حسن و جمال کے ساتھ نظافت و نفاست اور بیش قیمت لباس سے محبت
رکھتے تھے۔ طالب علمی میں اگرچہ تنگ دستی تھی لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے فتوحات کا دروازہ کھول دیا۔ اور کثرت سے
مال و دولت آنا شروع ہو گیا۔ اور بیش قیمت لباس استعمال کرتے تھے۔ صاف ستھرے کپڑے پہنتے تھے خوشبو اور عطر بھی
لگاتے اور فرماتے ما احب لاحد انعم اللہ علیہ الا ان یری اثر نعمتہ علیہ (میں ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جسے
اللہ تعالیٰ نے مال و دولت عطا کیا ہو اور اس پر اثرات ظاہر نہ ہوں) یعنی تحدیثاً بالنعمۃ عمدہ لباس پہنتے تھے۔ اس بارہ میں
اسلاف اور مشائخ کے مزاج اور عادات مختلف قسم کی تھیں۔ بعض تواضع اور عجز و انکساری کی وجہ سے موٹا جھوٹا اور
خشن لباس استعمال کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کا ایک واقعہ سنا چکا ہوں۔ کہ طواف کرتے ہوئے ایک
خدا رسیدہ نے بار بار کہا کہ البس لباس الصالحین صالحین کی پوشاک پہنا کرو۔ پوچھا کہ وہ کیسا ہوتا ہے فرمایا
خشن۔ خشن موٹا جھوٹا اور کھردرا۔ بعض اظہار نعمت خداوندی کے طور پر عمدہ لباس پسند کیا کرتے تھے تو یہ نیت پر
منحصر ہے۔ ہر ایک کو اس کی نیت کے مطابق بدلہ ملے گا۔ جب کہ کبر عُجب اور بڑائی مقصود نہ ہو وللناس فیما یعشقون مذاھب
حضرت بشرؒ فرماتے ہیں کہ پانچ پانچ سو روپیہ کا جوڑا پہنتے تھے۔ عدن اور دوسرے شہروں کے نہایت نفیس بیش قیمت
اور اعلیٰ قسم کے کپڑے پہنتے تھے۔ عموماً سفید لباس استعمال کرتے تھے اور یہ بھی فرمایا کرتے کہ احب للقاری ان یکون ابیض
الثیاب۔ علما کے لئے میں سفید لباس استعمال کرنا جو عالم کے شایان شان ہو پسند کرتا ہوں۔

نہایت وقار، سنجیدگی اور تمکنت سے رہا کرتے تھے اسی وجہ سے لوگوں میں ہیبت، رعب اور دبدبہ قائم رہا
عوام سے بے جا اختلاط اور مزاح سے گریز کرتے اور یہی علما کا شیوہ رہا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کو کسی نے پیچھے سے پکارا
آپ سنتے رہے مگر جواب نہ دیا۔ بعد میں جب کسی نے کہا کہ حضرت آپ کو بلا رہے ہیں تو فرمایا کہ پیچھے سے تو جانور بلائے
جاتے ہیں۔ لم یصاحب الاحمق آپ بے وقوف اور کم عقل لوگوں کی صحبت سے احتراز کرتے تھے۔

ایسے مقامات پر کھانے پینے سے بھی احتراز کرتے جہاں لوگوں کی نظریں پڑتیں اس وجہ سے کسی شخص نے آپ کو
کھاتے پیتے نہیں دیکھا۔ یہ تکبر کی وجہ سے نہیں بلکہ بعض لوگوں کی فطرت میں حیا موجود ہوتی ہے۔ کہ لوگ ایسے حالات
میں مجھے نہ دیکھ سکیں۔ یہ صفات بڑی مشکل سے حاصل ہوتی ہیں۔

مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مکان میں رہتے اسے کرایہ پر لیا تھا۔ اپنا ذاتی مکان نہیں بنایا۔ مسجد

نبوی میں حضرت عمرؓ کی نشست گاہ میں اپنی نشست رکھی تھی۔ مکان کے دروازہ پر کتبہ ماشاء اللہ کا لگا تھا۔
چاندی کی انگوٹھی میں حسبنا اللہ ونعم الوکیل کے الفاظ نقش تھے۔

مجلس درس کے آداب | آپ کو درس کا بڑا اہتمام تھا آپ کو مجلس درسِ حدیث کا جتنا اہتمام اور اعتنا تھا کسی اور سے بہت کم منقول ہے۔ پہلے غسل کرکے صاف بیش قیمت لباس زیب تن فرماتے، کنگھی کرتے، خوشبو لگاتے ایک تخت بچھایا جاتا مجلس پر تکلف فرش سے آراستہ ہوتی۔ شاہانہ شان وشوکت سے اس پر بیٹھتے تھے۔ تمام لوگ دوزانو ہوکر بیٹھ جاتے اور امام مالک بھی جب تک سبق ختم نہ ہوتا تشہد کی شکل بیٹھے رہتے۔ اس دوران کوئی لایعنی اور غیر متعلق بات نہ ہوتی۔ مجلس عود وعنبر کی خوشبو سے مہکتی تھی۔ لوبان اور عود سے مجامر سلگائی جاتیں۔ جس طرح ایک عظیم الشان بادشاہ کا دربار ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ کا احادیث رسولؐ سے معاملہ ہوتا تھا۔ اس لئے کہ سب سے بڑا شاہی دربار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ کہ ان کی مجلس میں صحابہ کرام کی یہ حالت ہوتی تھی کہ کان علی رؤسھم الطیر ایسی عزت واحترام فرماتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ اگر ذرا جنبش ہوئی تو اڑ جائیں گے ادھر ہم ہیں کہ درس حدیث میں کیا کیا گستاخیاں صادر ہوتی رہتی ہیں۔ کوئی ادھر متوجہ کوئی ادھر ٹانگ پھیلاتے کوئی دوسرے کاموں میں منہمک ہے اور دورۂ حدیث جاری رہتا ہے۔ ہم تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھنے کے قابل بھی نہیں رہے۔ اور یہ ساری بے ادبیاں علم کے راستے میں رکاوٹیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سے درگذر فرمادیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ جو تفسیر، حدیث، فقہ، لغت اور قرأت کے بہت بڑے امام ہیں زہد وتقویٰ میں بھی ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

ایک روز میں خود حضرت امام مالکؒ کی مجلس درس میں بحیثیت شاگرد حاضر ہوا۔ آپ احادیث بیان فرما رہے تھے تو مجلس درس میں آپ کا رنگ عجیب طرح سے متغیر ہوگیا۔ چہرہ زرد ہوگیا لیکن درس جاری رکھا کچھ دیر بعد پھر ایسا ہی ہوگیا۔ اور کئی مرتبہ یہ کیفیت پیش آئی۔ درس کے بعد کسی سے کہا کہ ذرا آکر میری پیٹھ کو تو دیکھو کوئی چیز ہے۔ جب دیکھا گیا تو ایک خطرناک بچھو تھا جو دوران درس آپ کو ڈس رہا تھا۔ اس کی شدید تکلیف سے آپ متغیر اللون ہوجاتے تھے۔

عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں کہ آپ پر دس مرتبہ یہ کیفیت طاری ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ سولہ دفعہ بچھو نے ڈنگ مارا۔ لیکن امام مالک نے احادیث کی عزت واحترام کی وجہ سے نہ تو جزع وفزع کیا اور نہ دوران درس شور وشغب اور فریاد کی۔ اور نہ ہی حرکت کی۔ بلکہ فرمایا کہ دوران درس میں نے شکایت اور انقطاع درس کو خلاف ادب سمجھا۔

ائمہ اربعہ کی عزیمت واستقامت | یہی حالت امام کی عزیمت کی تھی۔ حضرت امام مالک کی بھی وہی استقلال

اور استقامت رہی۔ جو دوسرے ائمہ کرام کا وصف تھا۔ دین حق کے واسطے شدائد اور تکالیف برداشت کرنا، حکومت سے مقابلہ کرنا، امام مالک کا عظیم کارنامہ ہے۔ اور آپ ہر مرحلے پر ثابت قدم رہے۔ خود ہمارے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب زندگی ہے۔ ابو جعفر منصور اور دوسرے امرا کی جانب سے جو تکالیف اور مصائب پہنچے اور مختلف طریقوں سے سزائیں دیں مگر آپ ان تمام امتحانات میں سُرخ رو رہے۔ تعمیر بغداد جسے مدینۃ السلام کہا جاتا تھا ابو جعفر نے امام صاحب کو شہر کی تعمیر کی اینٹیں شمار کرنے پر مامور کیا۔ خلیفہ ابو جعفر منصور کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح امام صاحب تمام دن مصروف رہیں گے اور حکومت کی مخالفت کرنے کی فرصت ہی نہ ملے گی۔ لیکن امام صاحب تھے بڑے ذہین، تھے۔ اینٹ والوں سے کہا کہ تمام اینٹیں ایک جگہ جمع کرتے رہو۔ اور آخر میں امام صاحب سے جیتے یا بانس سے اس ڈھیر کو ناپ کر تعداد معلوم کر لیتے۔ اور سارے دن کی جمع شدہ اینٹوں کا حساب منٹوں میں لگا لیتے۔

ابو جعفر منصور اس مقصد میں ناکام رہا۔ اسی وجہ سے امام صاحب کے متعلق کہا جاتا ہے هو اول من عدّ اللبن بالقصب۔ امام ابو حنیفہؒ پہلے شخص ہیں جو بانس وغیرہ سے ناپ کر اینٹوں کا حساب لگایا۔

الغرض بہت بڑی آزمائشیں آئیں مگر امام صاحب ثابت قدم رہے۔ یہاں تک کہ وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ مجھے ابو جعفر کے سرکاری مقبرہ میں دفن نہ کیا جائے۔ ابو جعفر منصور کہا کرتے تھے کہ حضرت امام صاحب وفات بھی پا گئے مگر مجھے ذلیل و رسوا کر دیا اور مجھ پر دھبہ لگا گئے۔ کہ میں تیرے مقبرہ میں دفن ہونا بھی گوارا نہیں کرتا۔ دراصل امام صاحب کی بڑی سیاسی زندگی تھی۔ امرا اور خلفا کی بے راہ روی اور دینی ابتری سے عام مسلمان دین حقہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کی نعمت سے محروم ہوتے جا رہے تھے۔ ان حالات پر نظر رکھ کر امام صاحب کا سیاسی رجحان یہ رہا کہ کوئی انقلاب آئے اور دوبارہ خلافت راشدہ کی طرز پر کوئی حکومت برسر اقتدار آجائے۔ ابو جعفر منصور کو امام صاحب کی ان درپردہ کوششوں کا یقین ہو گیا تھا۔ اسی لئے آپ کو قاضی القضاۃ وغیرہ کے عہدے پیش کرکے اپنے ساتھ ملانا چاہا۔ کہ ان کی تائید سے تقویت ہو جائے۔ اسی خاطر خلیفہ نے ڈرایا دھمکایا بھی، لیکن آپ ہمیشہ ثابت قدم رہے ہیں۔

آپ لوگ جس عظیم امام کے مقلد ہیں ان کی زندگی کے ایسے تمام گوشوں کا مطالعہ کیا کریں اگر تفصیل چاہیں تو امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی از علامہ مناظر احسن گیلانی میں مل سکتی ہے۔

اسی طرح امام احمد بن حنبلؒ پر عجیب وغریب امتحان، تکالیف، ترغیب و ترہیب کی شکل میں اور شدائد کی صورت میں آئے۔ مسئلہ بظاہر معمولی تھا۔ مسئلہ خلق القرآن۔ لیکن اس سے کئی قسم کے نقصانات پیدا ہو سکتے تھے۔ امام احمد اس سے باخبر تھے اسی لئے آپ نے اس مسئلہ میں سخت رویہ اختیار کیا۔ اور ثابت قدم رہے۔ کہا جاتا ہے کہ:۔

ان الله اعز هذا الدين برجلين بابي بكر الصديق يوم الردة وباحمد بن حنبل يوم المحنة

اللہ تعالیٰ نے اس دین کی دو آدمیوں سے نازک موقعہ پر تائید کرائی۔ فتنہ ارتداد کے موقعہ پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے

اور مسئلہ خلقِ قرآن کے فتنہ کے موقعہ پر احمد بن حنبلؒ سے۔ اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پر بھی امراء و حکام کے ہاتھوں ابتلاء کا دور آیا۔ وہ والئ یمن کو ظلم و ستم سے روکتے رہتے۔ انہوں نے امام شافعی کی شکایت ہارون الرشید سے کردی۔ امام شافعیؒ یمن سے پابجولاں دربارِ خلافت بھیج دیئے گئے اور بہ مشکل وہاں امام محمدؒ کی سفارش پر رہائی ملی۔

امام مالک کی ابتلاء | تو امام مالکؒ پر بھی والئ مدینہ جعفر بن سلیمان کی جانب سے مختلف قسم کی تکالیف آئی ہیں۔ تیس۳۰ سے ستر تک کوڑے لگوائے گئے۔ اور دونوں ہاتھ کھینچوا کر مونڈھے سے اتر گئے۔ ا فمدّت یداہ حتی انخلعت کتفہ۔ گدھے پر سوار کرا کر مدینہ منورہ کی گلیوں میں تشہیر کرادی۔

شہنشاہیت جیسے ادوار میں کسی کو بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ جب اس امتحان اور آزمائش سے سرخ رو ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے رفعت درجات سے نوازا۔ اور عزت و رفعت بڑھ گئی۔

مورخین لکھتے ہیں۔ وکانما کانت تلک السیاط حلیاً حُلّی بہ ابتلاء کا یہ واقعہ ۱۴۶ھ میں پیش آیا۔ حق بات اور اعلاء کلمۃ اللہ کے واسطے تکالیف اٹھانا عالم کے لئے زیورات بن جاتی ہے جس سے وہ آراستہ ہوجاتا ہے۔ یہ ابتلاء اور تکالیف یا تو سیاسی مسئلہ بیعت کی وجہ سے آئی ہیں۔ بعض کی رائے ہیں اس لئے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے حضرت علیؓ پر تقدیم کے قائل تھے اور بعض کہتے ہیں کہ طلاق مکرہ کا فقہی مسئلہ تھا۔ ان کی رائے میں طلاق بالجبر اور طلاق مکرہ واقع نہیں ہوتی۔ اور فرض کرلیا جائے کہ ایک فقہی مسئلہ تھا۔ لیکن امام نے قرآن و سنّت کی روشنی میں جب ایک رائے قائم کرلی تو اس پر پہاڑ کی طرح جمے رہے۔ کوئی اصولی مسئلہ نہ تھا نہ عقائد کی بات تھی۔ بلکہ مقصد یہ تھا کہ فقہ کی کسی جزء کی بات کیوں نہ ہو جب اسے حق سمجھ لیا ہے تو پھر اس کے لئے ڈٹ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شریعتِ اسلامیہ کی تحفظ اور بقا اس طریق سے فرمائی ہے کہ اس پر اگر عزیمت جبل استقامت بنے رہے۔ پھر اس میں کوئی مصالحت مفاہمت اور مداہنت نہیں کرسکتے تھے۔ بہرحال فقہی مسئلہ بھی ہوتا تو امام صاحب اس پر جم گئے ہوتے مگر اصل صورت حال یہ تھی کہ اس مسئلہ میں بھی ایک سیاسی صورت پوشیدہ تھی جس کی وجہ سے امام مالکؒ پر اتنا عظیم امتحان آیا۔ دراصل طلاق مکرہ واقع نہ ہوجانے سے حکومت وقت کو ایک سیاسی خطرے کا سامنا تھا۔ جس طرح کہ آج کل ووٹ دینے کے لئے لوگ مجبور کیئے جاتے ہیں۔ قسم، جھوٹ، رشوت، حرام خوری۔ الغرض طرح طرح کے ہتھکنڈے ووٹ حاصل کرنے کے لئے استعمال کیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح اس زمانے کے حکمران جب لوگوں سے بیعت لیا کرتے تھے تو لوگ بیعت کے ساتھ حلف اور قسم بھی اٹھاتے تھے۔ ایک گونہ جبری بیعت ہوتی۔ اور لوگ بادشاہ کے ڈر سے قسم کھاتے تھے لیکن بعد میں بیعت توڑنا چاہتے تو کفارۂ یمین ادا کرتے۔ اب حکمران اور امراء سمجھ گئے کہ یہ لوگ کفارۂ یمین دے کر انخلاع عن البیعت کرلیتے ہیں۔ تو اس طرح تو سارا سیاسی نظام درہم برہم ہوجائے گا۔ اور اطاعت کے وعدے ٹوٹ جائیں گے تو ان حکام نے قسم کے ساتھ طلاق کا بھی اضافہ کیا۔ اور یہ اقرار لیا کرتے تھے کہ علیّ طلاق ان لم اکن صادقاً

ثم بیعتی او نقضتہ اس صورت حال سے لوگ بے بس ہو کر رہ گئے۔ طلاق کی وجہ سے خلع عن البیعت بھی نہیں کر سکتے تھے۔ سیاسی طور سے لوگوں کا راستہ بند ہو گیا۔ دوسری طرف فاسق فاجر تلوار نکال کر طلاق کا مطالبہ کر رہا ہے۔ تو درحقیقت یہ طلاق مکرہ کی صورت تھی لہذا امام مالکؒ نے اعلان کر دیا کہ طلاق المکرہ لیس بشیٔ

اس مسئلہ میں امام مالکؒ کی اپنے استنباط و اجتہاد پر مبنی رائے تھی۔ اس لئے اپنی رائے کے مطابق پوری شد و مد سے مقابلہ کیا اور فرمایا کہ جبری طلاق واقع نہیں ہوتی۔ تو اس کے سزا کے طور پر حاکم وقت نے گدھے پر بٹھایا اور سارے شہر میں پھرایا۔ سارے اہل مدینہ تماشائی بنے ہیں ہر طرف بھیڑ لگ جاتی۔ پریشان بھی ہیں کچھ کر بھی نہیں سکتے۔ ایک عجیب و غریب حادثہ تھا۔ ادھر امام مالکؒ نے کیا کیا۔ چونکہ اس زمانے میں کوئی لاؤڈ سپیکر تو تھا نہیں۔ امام دار الہجرہ نے لوگوں کے اس اجتماع کو بھی اظہار حق کے لئے غنیمت سمجھا۔ گلیوں میں دو طرفہ ہجوم ہے اور امام صاحب باآواز بلند اعلان کرتے جا رہے ہیں۔ من کان یعرفنی فیعرفنی و من لم یعرفنی فانا مالک بن انس اقول ان طلاق المکرہ لیس بشیٔ جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے اور جو نہیں جانتا تو وہ بھی خوب جان لے کہ میں مالک بن انس ہوں اور فتویٰ دیتا ہوں کہ جبری طلاق درست نہیں۔

یہ ہمارے مشائخ کی عزیمت و استقامت کا عالم تھا۔ بعد میں جب منصور نے کوڑوں کا قصاص لینے کو کہا تو فرمایا میں نے ہر کوڑے پر معاف کر دیا ہے۔ اس لئے کہ جعفر سید تھے۔ امام دراوردی نے کہا ہے کہ امام صاحب ہر کوڑے کی ضرب پر فرماتے اللھم اغفر لھم فانھم لا یعلمون۔ کوڑے مارے گئے تو بے ہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش آیا تو فرمایا کہ اے لوگو گواہ رہو میں نے کوڑے مارنے والے کو معاف کر دیا ہے۔

ان کے درس حدیث میں خان و نواب امیر و غریب چھوٹے اور بڑے کا امتیاز نہ ہوتا جو بھی زیادہ محنتی ہوتا اس کو زیادہ اہمیت دیتے۔

امراء سے بے نیازی | وہ زمانہ چونکہ علم و فضل کا دور تھا۔ بادشاہ بھی علوم حاصل کرتے تھے۔ احادیث پڑھتے تھے یہی نصاب اور یہی تعلیم تھی۔ خلفاء اور امراء کی بھی تمنا ہوتی کہ امام مالکؒ سے ایک حدیث سن لیں۔ ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ وہ دنیا کا ایک عظیم حکمران تھا۔ موجودہ تمام مسلم ممالک اس کی قلمرو میں تھے۔ خلفائے عباسیہ میں سب سے بڑی مستحکم اور خوشحال حکومت اگر تھی تو وہ ہارون الرشید کے زمانے میں قائم ہوئی۔ اتنا وسیع رقبہ کسی حکومت کا نہ تھا۔ بنو عباس کا یہ انتہائی نقطہ عروج تھا۔ بعد میں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور بعض علاقے غلام بنا دئے گئے۔ اسے جبار الارض کہا جاتا تھا۔ ایک بار منیٰ میں کسی نے ہارون کو برہنہ سر اور برہنہ پا دیکھا کہ احرام میں کھڑے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے تضرع کر رہے ہیں۔ تو دیکھ کر اس نے کہا۔ انظر الی جبار الارض کیف یتضرع الی جبار السماء ہارون جب آسمان پر بادل دیکھتے تو کہتے کہ اے بادلو! جہاں بھی چاہو برسو خواہ عراق اور

خراسان خواہ ترک اور افریقہ یا اندلس۔ لیکن تمہارے برسنے سے مالیہ میرے خزانہ میں آئے گا۔ جیسا کہ مشہور تھا کہ انگریزوں کی حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا۔ جو حکومت کی وسعت سے کنایہ تھا۔ تو ہارون الرشید عظیم حکمران تھے۔ اس کے باوجود علم کے بے حد قدردان بھی تھے۔ تو کسی کو امام مالکؒ کے پاس بھیجا کہ مؤطا لاکر مجھے سنا دیں تاکہ مجھے شرف تلمذ حاصل ہو جائے۔ آپ نے جواب دیا کہ اگر احادیث سننے ہو تو میرے ہاں آکر درس میں شریک ہو جاؤ میں احادیث کی مجلس تبدیل نہیں کرتا۔ یہیں پڑھاتا ہوں۔

ہارون الرشید آج کل کے حکمرانوں کی طرح ضدی اور اناڑی تو نہیں تھے۔ خود آئے اور درس حدیث میں شامل ہوگئے۔ امام مالک نے اس وقت قراۃ التلمیذ علی الشیخ کا طریقہ اختیار فرمایا تھا۔ حدیث سننے کے دو طریقے ہیں۔ ایک قراۃ الشیخ علی التلمیذ کہ استاد پڑھے اور شاگرد سنتا رہے۔ دوسرا قراۃ التلمیذ علی الشیخ کہ شاگرد پڑھے اور استاد سنتا رہے۔ شمائل میں تفصیلات بیان کر چکا ہوں۔ امام مالک وغیرہ قراۃ الشیخ علی التلمیذ کو ترجیح دیتے تھے جب کہ امام ابو حنیفہؒ وغیرہ قراۃ التلمیذ علی الشیخ کو پسند فرماتے تھے۔ مگر امام مالک جب آخر عمر میں ضعیف اور بوڑھے ہوگئے تو دوسری صورت اختیار فرمائی کہ خود پڑھ کر سنانا چھوڑ دیا اور تلامذہ میں سے ایک دو عبارت پڑھتے تھے۔

خلیفہ نے عرض کیا کہ آپ ہی مجھے پڑھ کر سنا دیجئے۔ تو امام صاحب نے فرمایا۔ ما قرأت علی احد منذ زمان انما یقرء علی۔ ایک مدت سے خود پڑھ کر سنانا چھوڑ چکا ہوں۔ دوسرے پڑھتے ہیں اور میں سنتا ہوں۔ آج اپنا معمول تمہارے لئے نہیں بدل سکتا۔ پھر خلیفہ ہارون نے کہا اچھا میں خود پڑھ کر سناتا ہوں مگر اتنا کیجئے کہ ان سب لوگوں کو باہر بھیجد یجئے۔ مجھے یہ سعادت قراۃ علی الشیخ حاصل ہو جائے گی۔ اخرج الناس حتی اقرأ علیک تو امام مالک نے فرمایا کہ نہیں ایسا بھی نہیں کر سکتا کہ اذا منع العام لبعض الخاص لم ینتفع الخاص وامر معن بن عیسی فقرء اگر خاص لوگوں کی رعایت سے عام لوگوں کو محروم رکھا جائے تو پھر خواص کو بھی اس کا نفع نہیں ہوتا اس سے معلوم ہوا کہ مجمع میں درس کا فائدہ زیادہ ہے بخلاف انفرادیت کے کہ اجتماع کی برکات اس طرح حاصل نہ ہو سکیں گی۔ پھر آپ نے اپنے تلمیذ معن بن عیسی کو حکم دیا کہ قرأت شروع کریں۔ اور خلیفہ بھی سننے لگا۔

تو اصل بادشاہت تو امام مالک جیسے ائمہ کی تھی۔ کہ ان سلاطین کو بھی ان بزرگوں کی عظمتوں کا احساس تھا اپنی بادشاہت اس کے سامنے ہیچ لگ رہی تھی۔

دلوں کے بادشاہ امین اور مامون دونوں ہارون الرشید کے بیٹے ہیں۔ ایک دن ہارون الرشید کیا دیکھتا ہے کہ دونوں بھائی اپنے استاد اور شیخ کے جوتے اٹھانے میں سبقت کرتے ہیں جس میں دست و گریبان تک نوبت پہنچی۔ آخر میں شیخ نے فیصلہ دیا کہ اچھا دونوں ایک ایک جوتا اٹھالو۔ تو ایک جوتا مامون نے اور ایک امین نے اٹھایا۔ یہ منظر کہیں ہارون الرشید دیکھ رہے تھے تو اپنی بیوی زبیدہ سے کہا کہ دنیا میں بڑا بادشاہ کون ہے۔ اس نے کہا آپ سے بڑا

بادشاہ کون ہو سکتا ہے۔ ہارون الرشید نے کہا کہ نہیں بادشاہ تو احادیث کے استاد ہیں کہ امین و مامون نے میرے جوتے کبھی نہیں اٹھائے۔ مگر آج دونوں نے استاد کے جوتے اٹھا کر خوشی سے سروں پر رکھے ہیں۔ تو یہ امراء اور خلفاء اپنے بیٹوں کو بھی علماء کے پاس بھیجتے تھے اور شہزادے ان کی خدمت کو سعادت سمجھتے تھے۔ اس کے باوجود بھی علماء اتنی استغناء اور بے نیازی اختیار کرتے تھے کہ حکومت کیا چیز ہے۔ اصل بادشاہت تو یہی ہے۔

ابوجعفر منصور بنو عباس کا بڑا جابر حکمران ہے۔ ابوالدوانیق بھی اسے کہا جاتا ہے۔ درحقیقت خلافت عباسیہ کا بانی مبانی وہی ہے۔ ایک دن کچھ پریشان سا تھا۔ درباری امراء اور مقربین نے پوچھا کہ پریشانی کی کیا وجہ ہے؟ سب کچھ موجود ہے۔ تو ابوجعفر نے کہا یہ کیا خوشی ہے۔ خوشی تو اس شخص کو ہوتی ہے جو حدیث پڑھ کر حدیث پڑھاتا ہے۔ دربار شاہی تو وہ لگتا ہے تو وزراء تو درباری ہوتے ہیں۔ بادشاہ جس چیز سے خوش ہو وہی کرتے ہیں۔ تو دوسرے دن سب حدیث کی کتابیں گویا بخاری اور ترمذی بغل میں لئے ہوتے حاضر ہوئے۔ خلیفہ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کل آپ نے حدیث پڑھانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ آپ پڑھائیں ہم حلقہ باندھ کر بیٹھتے ہیں۔ کہا جاؤ طلبہ ایسے نہیں ہوتے تم تو مجھے خوش کرنے کے لئے پڑھو گے۔ تو بادشاہوں کو محدثین کے منصب پر رشک آتا تھا۔ تو امام مالکؒ کے درس میں شاہانہ ہیبت رعب دبدبہ اور یہ ساری خصوصیات موجود تھیں۔

اعتراف فضل و کمال آپ کی امامت و فقاہت ورع و امانت پر امت کا اجماع ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث منقول ہے۔ یوشك ان یضرب الناس اکباد الابل فلا یجدون احداً اعلم من عالم المدینة۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب وہ زمانہ آئے گا جب کہ لوگ طلب علم کے لئے اپنے اونٹ مار مار کر ہنکائیں گے۔ تو مدینہ کے عالم سے بڑھ کر کسی کو نہ پائیں گے۔

سفیان بن عیینہ اور عبدالرزاق (جو امام بخاری کے شیخ اور جلیل القدر امام ہیں) فرماتے ہیں: کہ اس حدیث ابوہریرہ کے مصداق امام مالک ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مدینہ منورہ کو اللہ تعالیٰ نے بلند مرتبہ مشائخ، علماء اور محدثین کا مرکز بنایا ہے۔ ہر دور میں اہل علم کا خلاصہ وہاں موجود رہتا ہے۔ اس دور میں ہمارے شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب مہاجر مدنی مدینہ منورہ میں قیام پذیر تھے اس سے پہلے حضرت مولانا بدر عالم صاحب جو ترجمان السنة کے مصنف تھے۔ اسی طرح ہر زمانے میں محدثین اور علماء موجود رہتے ہیں گو بظاہر گمنام رہیں۔ آج کل مغربی تمدن اور ظلمات کا دور ہے جس میں اہل اللہ پنہاں اور بظاہر غیر معروف ہوتے ہیں۔ مگر جنگل میں شیر ضرور موجود ہیں فرمایا۔ الایمان لتأرز الی المدینة کما تارز الحیة الی جحرها (او کما قالؐ) ایمان مدینہ کی طرف ایسا سمٹ سمٹا کر لوٹ آئے گا جیسا کہ سانپ اپنی بل کو لوٹتا ہے تو اہل حق اور اہل سنت ہر زمانہ میں وہاں موجود ہوں گے۔ تو اس دور میں علم میں لوگوں کے ماوی و ملجا امام مالکؒ تھے لوگ دور دراز کا سفر اختیار کرتے تاکہ امام مالک سے حدیث حاصل کر سکیں۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں لولا مالک وسفیان لذهب علم الحجاز ۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں اذا رأیت الرجل ینقص مالکا فاعلم انه مبتدع۔ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ امام مالک کی تنقیص کرتا ہے تو سمجھ لیجئے کہ وہ بدعتی ہے۔

حماد بن سلمہ کے بارے میں تم سن چکے ہو کہا کرتے تھے لو قیل لی اختر لامة محمد من یأخذون عنه العلم لرأیت مالک بن انس لذالک موضعا ومحلا اگر مجھے کہا جائے کہ تمام امت محمدی کے لئے انتخاب کرو کہ وہ کس سے علم حاصل کریں تو میں سب سے زیادہ امام مالک کو اس منصب کے لئے اہل قرار دیتا ہوں۔

عبداللہ بن احمد سے پوچھا گیا من اثبت اصحاب الزهری امام زہری کے اصحاب میں سب سے زیادہ ثقہ کون ہے۔ قال مالک اثبت فی کل شیء فرمایا امام مالک سب سے زیادہ ثقہ ہیں۔

امام الروایۃ والدرایۃ ہیں امام مالک روایت حدیث اور درایت حدیث دونوں میں کامل ملکہ رکھتے تھے محدثین کی اصطلاح میں صاحب روایت الحدیث امام فی الحدیث اور درایت حدیث کو امام فی السنۃ کہا جاتا ہے۔ ابن مہدی فرماتے ہیں۔ سفیان الثوری امام فی الحدیث ولیس بامام فی السنة والاوزاعی امام فی السنة ولیس بامام فی الحدیث ومالک امام فیهما ابن مہدی کا قول ہے۔ سفیان ثوری امام حدیث تھے امام سنۃ نہ تھے۔ امام اوزاعی امام سنت تھے امام فی الحدیث نہ تھے لیکن امام مالک دونوں کے امام ہیں۔ یعنی روایۃ اور درایۃ دونوں کے جامع ہیں۔ ابن صلاح نے سنت سے ضد بدعت مراد لیا ہے کیونکہ بعض لوگ عالم بالحدیث ہوتے ہیں مگر عالم بالسنۃ نہیں ہوتے لیکن بہتر وہ توجیہہ ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ کہ محدثین سلف کے ہاں دو طریقے تھے۔ بعض حضرات صرف آیات احادیث اور آثار کو محفوظ کر کے بیان کرتے تھے اور اس سے استنباط احکام بھی کر سکتے تھے۔ یہ محدثین کا طریقہ ہے اور بعض حفظ روایات و آثار کے ساتھ ساتھ تنقیح اصول بھی کرتے تھے۔ کلام ائمہ سے قواعد کلیہ مستنبط کرتے تھے۔ یہ فقہا محدثین کا طریقہ ہے گویا اول کو اہل حدیث اور دوسرے کو اہل سنت کہیں گے۔ اور ہمارے امام اعظم ابو حنیفہؒ ان دونوں طریقوں کے سرتاج ہیں۔ خاص کر دوسری قسم میں (تنقیح اصول قواعد کلیہ اور استنباطات) گویا ایک پنساری کی بڑی دکان ہے۔ تمام ادویہ مفردات کی شکل میں موجود ہیں لیکن وہ خاصیات نہیں جانتا ہے۔ اور جب ایک عظیم حکیم آجاتے اور ان سب کے خواص بیان کر دے کہ اگر ان مفردات کو ان طریقوں سے مرکب کیا جائے تو فلاں خاصیت پیدا ہوتی ہے اور فلاں پیدا ہوتی ہے۔ گویا تمام مفردات کی ترکیبات، تاثیرات اور ہر ایک کی تشخیص امام ابو حنیفہؒ نے بیان فرمائی ہیں۔ تو امام مالک اور دوسرے ائمہ کرام بھی اس مقام کے لوگ ہیں۔ تو ابن مہدی کا مطلب یہ ہے کہ امام مالک امام فی الحدیث والسنۃ فی روایۃ الآثار وفی معرفۃ الاصول والقواعد دونوں امور میں ملکہ فائقہ رکھتے تھے۔

روایۃ الاکابر عن الاصاغر | امام مالکؒ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی خصوصیات دی ہیں۔ منجملہ ان خصوصیات کے ایک یہ بھی ہے کہ جس طرح آپ اکابر اور اصاغر دونوں سے روایت کرتے ہیں اسی طرح آپ سے بھی اکابر نے روایت کی ہے

اصطلاح محدثین میں اس کو روایت الاکابر عن الاصاغر اور سابق و لاحق کہا جاتا ہے۔ اس موضوع پر محدثین نے مستقل تصانیف کی ہیں۔ اسی طرح دو راویوں کے درمیان مدت کی خصوصیت بھی ہوتی ہے کہ شیخ واحد سے راویوں کے درمیان کتنی مدت ہو سکتی ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

میری تحقیق کے مطابق زیادہ سے زیادہ یہ تفاوت ایک سو پچاس سال تک پہنچ سکی ہے تو اس قسم کے اتفاقات جو امام مالک کو ہوئے کسی اور کو بہت کم نصیب ہوئے ہوں گے۔ امام مالک سے دو افراد نے ایک حدیث روایت کی ہے ایک ان میں سے محمد بن مسلم بن شہاب زہری ہیں جو امام مالک کے اجلّہ اساتذہ میں سے ہیں اور ان سے آپ نے بے شمار احادیث روایت کی ہیں۔ لیکن انہوں نے خود امام مالک سے فریعہ بنت مالک بن سنان جو معتدہ کے سکنٰی کے بارے میں ہے روایت کی ہے۔ اور امام زہری کی وفات ۱۲۵ھ میں ہوئی ہے۔ دوسرے ابو حذافہ سہمی جو امام مالک کے شاگرد ہیں اور موطا کے ایک نسخہ کے راوی بھی ہیں۔ انہوں نے بھی یہی حدیث امام مالک سے روایت کی ہے اور ابو حذافہ کی وفات کچھ اوپر ۲۵۰ھ میں ہوئی ہے۔ تو دونوں راویوں کی وفات کے درمیان ایک سو تیس سال کے لگ بھگ فاصلہ ہے۔

<u>مقبولیت امام مالکؒ</u> | حضرت امام مالک سے اتنا فیض جو جاری ہوا ہے۔ تو حدیث ابی ہریرہؓ کا مصداق ہیں۔ اور اللہ نے ان کی کتاب کو اقصائے عالم میں مقبولیت دی شاہ عبدالعزیز نے لکھا ہے۔ کہ بڑے بڑے اولیاء کرام نے خواب میں دیکھا۔ ایک عابد اور بزرگ آدمی ابو عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور ان کے گرداگرد لوگوں کا حلقہ بندھا ہوا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مشک رکھا ہوا ہے اور امام مالک سامنے کھڑے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشک سے لپ بھرتے ہیں اور امام مالکؒ کو عطا فرماتے ہیں اور آپ لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں اور ادھر ادھر نچھاور کرتے ہیں یہ اس خواب کی صریح اور صحیح تعبیر ہے کہ امام صاحب کے سینہ میں علوم نبوت کا ظہور ہوا اور آپ کے تبلیغ و تدریس کے ذریعہ لوگوں کو پہنچا گویا آپ وارث علوم نبوت تھے۔ اور ایک ایک حدیث مشک و عنبر سے کئی گنا زیادہ قیمتی ہے۔

ایک دوسرے بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ امام مالکؒ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تخت ملا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں وان الانبیاء لم یورثوا دینارًا ولا درھمًا ولکن ورثوا العلم (الحدیث) تو گویا خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو وراثت علمی بخش دی ہے۔

اب کچھ معروضات موطا امام مالکؒ کے بارہ میں ملحوظ رکھیں۔

<u>کتاب موطا کے متعلق مباحث</u> | ابن الہیاب فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ نے ایک لاکھ حدیث روایت کی تھیں مائۃ الف حدیث جنہیں بڑی مشقت اور عرق ریزی سے جمع کیا تھا ان میں سے دس ہزار عشرۃ الاف منتخب کرکے موطا میں درج کیں۔ جو موطا کا اولین مسودہ اور نسخہ تھا لیکن اس کے بعد ہمیشہ اس میں حک و اضافہ کمی

تدریجاً ان کی شرائط اور بھی فرمایا کرتے تھے۔ انہیں برابر پرکھتے سنوارتے اور بار بار مراجعت کرتے تھے۔ بھی کڑی ہوتی جا رہی تھیں۔ اور جو روایت شرائط پر معمولی سی بھی پوری نہ اترتی اسے اپنے مسودہ سے نکال دیتے یہ سلسلہ عمر بھر جاری رہا الی ما انتھت الیہ الآن یہاں تک موجودہ اور مروج نسخہ کو آخری شکل دی گئی جو تمہارے سامنے موجود نسخہ ہے۔ ایک طرف یہ حک اور اضافے کا سلسلہ تھا۔ اور دوسری طرف ہر سال بیشمار شاگرد استفادہ کرتے تھے۔ ایک نے ایک سال پڑھا دوسروں نے دو سال بعد کچھ تین سال بعد کے شاگرد کچھ اس کے بعد کے اب ہر سال موطا کا ایک ہی نسخہ تو آخری شکل میں سامنے نہ تھا آیندہ آنے والوں کے سامنے کمی بیشی والا اور مسودہ ہوتا۔ ہر سال امام صاحب کانٹ چھانٹ کرتے تھے۔ اس وجہ سے نسخے مختلف اور متعدد ہو گئے اور ہر نسخہ کی ترتیب بھی جدا ہو گئی۔ امام صاحب کے شاگردوں نے انہیں اپنی اپنی استعداد اور ترتیب اسباق کے مطابق مرتب و مدون کیا۔ اس لئے سینکڑوں نسخے مرتب ہو گئے۔ جیسا کہ آج کل ہر سال دورہ حدیث کے طلبہ اپنے آمالی قلم بند کرتے ہیں۔ اور چونکہ مسودے کو آخری شکل نہیں دی گئی تھی۔ اس لئے احادیث موطا کی تعداد اور فی الجملہ اس میں تھوڑا سا تفاوت بھی موجود ہے۔

ایک بزرگ نے کہا ہے کہ عرضت علیہ الموطا فی اربعین یوماً۔ میں نے امام مالک کو چالیس دن میں موطا سنایا۔ اور یا اتنے ایام میں پڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ اس پر امام نے فرمایا الفتہٗ فی اربعین سنۃ میں نے چالیس برس میں موطا مرتب کیا ہے۔ اور آخری شکل دی ہے۔ اور تم چالیس دن میں پڑھنا پڑھانا چاہتے ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ امام مالکؒ نے موطا کی ترتیب و تبییض اضافہ و کمی میں چالیس سال گذارے ہیں۔ جس کی وجہ سے دنیا میں متعدد اور مختلف نسخے رائج ہو گئے۔

موطا کے متعدد نسخے | حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے بستان المحدثین میں بعض نسخوں کی نشان دہی فرمائی ہے فرماتے ہیں کہ آج کل ان کثیر نسخوں میں سے چند نسخے پائے جاتے ہیں۔ پہلا نسخہ جو سب سے زیادہ مشہور ہے یہی نسخہ متداولہ ہے۔ جو یحییٰ بن یحییٰ مصمودی الاندلسی کا نسخہ ہے جس کا آغاز وقوت الصلوٰۃ سے ہوتا ہے۔ دوسرا نسخہ عبداللہ بن وہب نے امام مالکؒ سے روایت کیا ہے۔ اس کی پہلی حدیث وقوت الصلوٰۃ کے بجائے امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لاالٰہ الا اللہ (الحدیث) تیسرا نسخہ عبداللہ بن مسلم قعنبی کا ہے جس کی پہلی حدیث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تطرونی کما اُطری عیسیٰ بن مریم (الحدیث) ہے جو تھا نسخہ ابن القاسم کا ہے جو فقہ مالکی کے اولین مدونین میں سے ہیں۔ اس کی پہلی حدیث یہ ہے ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال قال اللہ تعالیٰ من عمل عملاً اشرک فیہ من غیری فھو لہ کلہ (الحدیث) پانچواں نسخہ معن بن عیسیٰ کا ہے اسی طرح دوسرے نسخے بھی ہیں۔ اور شاہ عبدالعزیزؒ نے۔ سولہواں نسخہ۔ امام محمد

بن الحسن شیبانی کا ہے جو امام محمد صاحب نے مرتب کیا ہے جو مستقل انشاء اللہ شروع کریں گے۔

تعداد مرویات مؤطا | حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ مقدمہ اوجز المسالک میں فرماتے ہیں کہ موجودہ نسخہ مؤطا میں ۱۷۲۵ حدیثیں ہیں جس میں مسند و مرفوع ۶۰۰ مرسل ۲۲۲ موقوف ۶۱۳ اور تابعین کے اقوال و فتاوٰی ۲۸۵ ہیں۔

وجہ تسمیہ مؤطا | لفظ "مؤطا" وطی یطاء سے ہے وطاء بالکسر پائمال کرنا مجد الدین نے قاموس میں لکھا ہے وطاہ ای داسہ و ہیئہ وسہلہ بمعنی روندنے اور تیار کرنے اور سہل بنانے کے ہے اسی طرح بمعنی موافقت کے بھی آتا ہے جیسا کہ واطئہ علی الامر ای وافقہ فی الامر۔ تواطأ علی الکذب ای الموافقۃ علی الکذب "یا کلی متواطی" جو آپ پڑھتے ہیں۔ رجل موطا الاکناف نرم مزاج نرم خو مؤطا العقب ای سلطان یتبع یہ متعدد معانی بیان کئے گئے ہیں یہ سب معانی مؤطا میں علی سبیل الاستعارہ صلاحیت رکھتی ہیں۔

ابن فہر فرماتے ہیں لم یسبق مالکاً احدٌ الی ھذہ التسمیتہ۔ امام مالک سے پہلے احادیث کے مجموعے کو کسی نے یہ نام نہیں دیا بلکہ عام نام الجامع، السنن، المولف، المصنف، المسند۔ تو امام مالکؒ نے الموطا نام رکھا بمعنی المہذب والمنقح یہ معنی لغوی کے لحاظ سے ہے۔ کہ ایک لاکھ احادیث سے انتخاب کر کر کے دس ہزار اور پھر اس سے انتخاب کر کر کے الی ما انتہت الیہ الآن۔ اور پھر عجیب و غریب نہج سے اقوال و آثار صحابہ اور تابعین کو آخر میں ذکر کیا ہے۔ الغرض ہر لحاظ سے منقح اور مہذب ہے۔

ابن ابی حاتم رازی جو جرح و تعدیل کے بڑے امام تھے پوچھا گیا لم سمّی المؤطا بالموطا فقال شئ صنعہ ووطاہ للناس حتی قیل مؤطا اس کا موطا کیوں نام رکھا گیا۔ فرمایا کہ امام مالک نے اس کو مرتب کر کے لوگوں کے لئے آسان بنا کر رکھ دیا ہے۔ خود امام مالک مؤطا سے ایک دوسرے مفہوم کو بھی اشارہ کرتے ہیں یعنی موافقت، قال عرضت کتابی ہذا علی سبعین فقیہاً من فقہا المدینۃ فکلھم واطئونی علیہ فسمیتہ بالموطا۔ میں نے اس کتاب کو فقہا مدینہ میں سے ستر فقہا کے سامنے پیش کیا اور سب نے مجھ سے اتفاق کیا اس لئے میں نے اس کا نام موطا رکھا یعنی جس کی موافقت و تائید کی گئی۔ اور یہ وجہ صحیح اور راجح ہے اس لئے کہ یہ معنی خود صاحب کتاب سے منقول ہے امام مالکؒ نے خالصۃً للہ یہ محنت فرمائی جس میں مسابقت مقابلہ اور ریا کا کوئی شائبہ نہیں تھا اس لئے اس وقت کے سارے مدوّن مجموعوں میں اس نام کا یہی مؤطا باقی ہے البتہ صرف مؤطا ابن ابی الذئب مدون ہو گئی تھی جس کا تذکرہ کہیں ملتا ہے۔

مؤطا کا مقام | بہرحال اس میں اتفاق ہے کہ امام مالک موطا میں ضعیف وضعی اور مخدوش روایات نہیں لائے اور اس کی شہادت میں رئیس المحدثین حافظ ابو ذرعہ فرماتے ہیں۔ لو حلف رجلٌ بالطلاق علی ان فی الموطا صحیح

لہ یحنث اگر کسی نے اس پر طلاق کا حلف اٹھایا کہ مؤطا میں امام مالکؒ نے جو احادیث بیان کی ہیں وہ سب کی سب صحیح ہیں۔ تو وہ حانث نہیں ہوگا۔ یہ ان ائمہ فن جرح و تعدیل کا اس پر اتنا یقین اور وثوق ہے جن کے پاس صحیح ضعیف موضوع مرفوع موقوف اور مقطوع احادیث معلوم کرنے کی کسوٹیاں ہیں۔

بعض علماء نے مؤطا کو صحاح میں شمار کیا ہے۔ امام شافعیؒ رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں۔

" ما علی ظہر الارض کتاب بعد کتاب اللہ اصح من کتاب مالک لیکن بعد میں اکثریت اس پر متفق ہو گئی کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری۔ تو امام شافعیؒ اور دوسرے علماء کے اقوال کی متعدد توجیہات کی گئی ہیں بعض کہتے ہیں کہ اصحیتہ اُن مصنفات اور مؤلفات کی بہ نسبت ہے جو اس زمانہ میں موجود تھے کہ اس وقت کے تمام مسانید مصنفات مولفات میں مؤطا اصح الکتب تھا۔

سیوطی اور امام سخاوی جو اصول حدیث کے بڑے امام ہیں فرماتے ہیں کہ ان قولہ قبل وجود الصحیحین کہ امام شافعیؒ کا یہ قول صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے عالم وجود میں آنے سے قبل کا ہے۔ بخاری کی تصنیف کے بعد وہی اصح الکتب بعد کتاب اللہ قرار پائی تو صحیحین سے پہلے یہ اطلاق صحیح تھا۔ اور جو اس کے قائل ہیں کہ یہ صحاح ستہ میں شمار ہے

صحاح ستہ کون کون سے ہیں | تو یہاں ضمنی بات یہ بھی سن لیں کہ صحاح ستہ کی بات کب سے شروع ہوئی ہے۔ متقدمین اور متاخرین کے نزدیک صحاح ستہ سے مراد اصول الکتب اور الصحاح ہیں یہ مراد نہیں کہ یک وقت سب کے سب علماء نے بیٹھ کر اور اجتماع کر کے تمام کتب حدیث میں ان چھ کتابوں کا انتخاب کر دیا اور اس پر متفق ہوگئے کہ یہ صحاح ہیں۔ ایک زمانہ میں صحاح ثلثہ تھے۔ ایک وقت آیا کہ اربعہ ایک وقت خمسہ اور ایک وقت میں صحاح ستہ ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان چھ کتابوں کو از حد مقبولیت عطا فرمائی جس طرح کہ آخر الامر استقرار اس پر ہو گیا۔ کہ ائمہ اربعہ میں اسی طرح آخر الامر اس پر استقرار ہو گیا کہ صحاح ستہ ہیں ابتداءً اکثر متقدمین و متاخرین پانچ شمار کرتے تھے۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم۔ نسائی۔ ابوداؤد اور ترمذی علی الترتیب۔ لیکن بعد میں اکثر حضرات نے ابن ماجہ کو اس میں شامل کیا۔ بعض حضرات نے ابن ماجہ کی بجائے مؤطا امام مالک کو شامل کیا اور بعض نے سنن دارمی کو صحاح ستہ میں شمار کیا۔

ابن طاہر مقدسی (منسوب بسوئے بیت المقدس) کے معاصر محدث رزین فرماتے ہیں کہ یہ چھٹا موطا امام مالک ہے۔ لصحتہ وجلالتہ اور علامہ ابن الاثیر (جو غریب حدیث کے امام ہیں النہایہ لابن الاثیر اور جامع الاصول کے مصنف ہیں۔ محدث رزین کے قول کو ترجیح دیتا ہے ابن ماجہ کو شمار نہیں کرتا۔ حافظ ابو جعفر بن زبیر غرناطی فرماتے ہیں کہ متفق علیہ کتب خمسہ اور اصول حدیث میں سادس مؤطا ہے (دیکھئے تدریب الراوی) لیکن دوسرے غالب متاخرین محدثین فرماتے ہیں کہ سادس الستۃ فی الصحاح ابن ماجہ ہے بعض محدثین نے تطبیق اس طرح کی ہے کہ مشارقہ کے نزدیک

۱۔ اسی طرح جہیں امام مالک فرماتے ہیں کہ :-

سادس ابن ماجہ ہے۔ اور مغاربہ کے نزدیک موطا امام مالک ہے۔ مغرب سے مراد تیونس، الجزائر، مراکش اور اندلس وغیرہ بلاد ہیں۔ جن میں غرناطہ، قرطبہ وغیرہ بڑے بڑے شہر تھے۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے حافظ ابو طاہر سلفی نے ترمذی کو صحاح میں شمار کیا۔ بہرحال مزاج الگ الگ ہوتے ہیں۔ بعض حضرات مثلاً حافظ عراقی وغیرہ کے نزدیک ترمذی اور ابو داؤد بھی اس معیار پر پورے نہیں اترتے۔

صحیح بخاری و مؤطا کا موازنہ | بہرحال جمہور موطا مالک کو صحاح ستہ میں شمار نہیں کرتے۔ چنانچہ علامہ نووی فرماتے ہیں اول المصنف فی الصحیح المجرد البخاری علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ امام احمد تو موطا مالک کے اصحیت کے قائل ہیں تو امام نووی نے رد کر دیا۔ کہ مراد صحیح سے صحیح مجرد ہے جب کہ موطا میں مراسیل وغیرہ موجود ہیں اور بخاری میں مراسیل نہیں ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ بخاری میں بھی مرسل اور منقطع روایات پائے جاتے ہیں۔ گو وہ اصل موضوع ہی نہیں بلکہ تعلیقات و تراجم بھی ہوتے ہیں لیکن بہت کم۔ بہرحال یہ ان لوگوں کا استدلال ہے جو مرسل و منقطع کو بھی حجت مانتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک موطا، بخاری کی طرح ہے۔ اور جو مرسل و منقطع حجت نہیں مانتے ہیں تو ان کے نزدیک بخاری صحیح ہے اور مؤطا نہیں ہے تو دونوں اطلاق اعتبارین سے صحیح ہیں منقطع و مرسل کے باوجود بعض اسے صحیح مانتے ہیں۔ اور بعض نہیں۔ لیکن اتنی بات بہرحال ہے کہ علماء فرماتے ہیں کہ موطا کے مراسیل بھی کمزور نہیں ہیں۔ امام مالک نے جتنے مرسل روایات روایت فرمائے ہیں وما من مرسل الا ولہ عاضد او عواضد موطا کے دو سو بائیس مراسیل میں کوئی ایک مرسل بھی ایسا نہیں جس کا مؤید یا مویدات موجود نہ ہوں۔ بہرحال بہت سے علماء کے نزدیک موطا اس قابل ہے کہ اسے صحاح میں شمار کیا جائے۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہؒ بھی اسی زمرے میں ہیں۔ جو موطا کو تمام کتابوں میں افضل و مقدم سمجھتے ہیں اور اپنی مشہور شرح المصفیٰ میں اس کی ترجیحات بیان فرمائی ہیں۔

شروح مؤطا | اللہ نے اس کتاب کو بڑی مقبولیت دی۔ قاضی عیاض نے تقریباً ننانوے شروح کی تعداد بتائی ہے۔ تفصیلی تعارف کے لئے اوجز المسالک کا مقدمہ موجود ہے۔ ان شروح میں ابن عبدالبر کی کتاب التمہید اور کتاب الاستذکار، علامہ سیوطی کی کشف المغطا عن الموطا اور دیگر شارحین قاضی عیاض ملا علی قاری امام زرقانی ابن عربی، ابوالولید باجی وغیرہ اکابر امت کے مشہور شروح ہیں۔ ان میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا المصفیٰ اور المسوّٰی عربی فارسی میں شرح اور حاشیہ ہے۔ نہایت مختصر اور مفید اور نہایت مشہور ہیں۔ اور ہمارے اس آخری دور میں حضرت الشیخ مولانا محمد زکریا صاحب نے چھ ضخیم جلدوں میں اوجز المسالک الی موطا مالک کے نام سے گراں قدر شرح لکھی ہے جو نہایت اہم اور مفید ہے۔ اور پچھلی تمام شروح کا خلاصہ ہے۔

امام مالک کی دیگر تصانیف | امام مالک کی اور بھی کئی تصانیف اور مؤلفات ہیں مثلاً

۱۔ رسالۃ الی ہارون الرشید فی الآداب والمواعظ۔ چونکہ اس میں بعض مناکیر ہیں اس لئے بعض لوگوں نے اس کا

انکار کر دیا ہے کئی دفعہ طبع ہو چکی ہے۔ ۲۔ رسالۃ الی ابن مطرف۔ ۳۔ رسالۃ الی ابی غسان اس میں فتاویٰ ہیں۔ ۴۔ رسالۃ الی اللیث فی اجماع اہل المدینہ۔ چونکہ اجماع اہلِ مدینہ کی حجیت ایک مختلف فیہ مسئلہ تھا جو ابھی تک چل رہا ہے — کتاب الحجۃ۔ اس موضوع پر امام محمد کی ایک عجیب کتاب ہے جو خاص اسی موضوع پر ہے تو امام مالک نے لیث کو لکھا کہ اجماع اہلِ مدینہ حجت ہے اور کسی مسئلے کے لئے یہ کافی ہے۔ ۵۔ رسالۃ فی القدر الی ابن وہب۔ ۶۔ کتاب فی النجوم ۷۔ کتاب الاقضیہ۔ ۸۔ کتاب فی المناسک جس کے بارہ میں مورخین نے لکھا ہے وھو من اکبر مؤلفاتہ جو ہماری نظروں سے ابھی تک نہیں گذرا جب کہ اکثر کتابیں معدوم ہیں۔ ۹۔ کتاب فی التفسیر لغریب القرآن۔ ۱۰۔ المدونۃ الکبریٰ موجودہ زمانہ میں سب سے ضخیم کتاب جو امام مالک کی طرف منسوب کی جاتی ہے متعدد جلدوں میں ہے اور جو فقہ مالکی کا بنیادی ماخذ ہے لیکن یہ نسبت صحیح نہیں ہے بلکہ یہ امام ابن القاسم (متوفی ۱۹۱ھ) جو تلمیذ رشید امام مالک ہیں کی مرتب کردہ ہے جس طرح کہ صاحبینؒ نے امام ابو حنیفہؒ کے اقوال و آثار جمع کئے ہیں۔ اسی طرح ابن القاسم نے بھی فقہ مالکی کو المدونۃ الکبریٰ کی شکل میں جمع کیا ہے۔

<u>مراسیل و بلاغات مؤطا</u> | بعض لوگ مؤطا پر یہ جرح کرتے ہیں کہ مؤطا میں مرسل اور منقطع روایات پائے جاتے ہیں لیکن یاد رہے کہ مرسل روایات ہر کتاب میں ہیں حتیٰ کہ صحیح بخاری میں بھی مرسل اور منقطع روایات موجود ہیں لیکن یہ مراسیل اور منقطعات بلا اصل و سند نہیں ہیں۔ بعض جگہ امام مالک فرماتے ہیں بلغنی تو یہ بلاغات میں سے ہے۔ اور بعض جگہ عن الثقۃ عندی اس کو گویا ایک قسم مرسل کہیں گے۔ جو کسی کو منسوب نہیں۔ اس قسم کی روایات مؤطا مالک میں تقریباً ۶۱ ہیں لیکن امام مالک کے علاوہ دوسرے علماء نے سوائے چار احادیث کے ان کی سند بیان کی ہے۔ تو یہ کوئی عیب نہیں ہے۔

<u>مؤطا کی خصوصیات اور اصطلاحات</u> | کیونکہ مؤطا مالک اول وہ کتاب ہے جس میں صحیح اور ثقات کا تتبع اور تلاش کی گئی ہے جس کی وجہ اولاً ایک لاکھ میں پھر دس ہزار میں موجودہ مقدار باقی رکھی گئی۔ اس سے قبل کسی مجموعہ کے لئے اتنی محنت اور استقرار نہیں کی گئی تھی۔

دوسری یہ کہ امام مالک تبع تابعی ہیں تو مؤطا کی بنیاد اور دار و مدار ثلاثیات پر ہے۔ جو بہت بڑی منقبت ہے۔ صحیح بخاری میں صرف ۲۲ جگہ ثلاثیات ہیں یعنی مصنف اور حضور اقدس کے درمیان صرف تین واسطے ہوں۔ جیسے مالک عن نافع عن ابن عمر ہوتا ہے مگر مؤطا کا مدار عموماً ان پر ہے۔ اور چالیس تقریباً اس میں ثنائیات ہیں (یعنی بیچ میں صرف دو واسطے ہیں) اور اکثر ثلاثیات ہیں۔ تیسری یہ کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ دونوں اس راوی سے روایت کرتے ہیں جو حافظ بھی ہو جب کہ صحیحین کے ہاں یہ شرط نہیں ہے۔

اسی طرح کہیں امام مالک فرماتے ہیں کہ :-

السنۃ التی لااختلاف فیہا عندنا کذا وکذا۔

اس سے مراد اہل مدینہ ہیں کہ تمام اہل مدینہ اس پر متفق ہیں۔ اگر اہل مدینہ میں اختلاف ہو، متعدد اقوال ہوں تو راجح رائے اور قول کا ذکر کرتے ہیں۔ تو یہ راجحیت کثرت قائلین سے حاصل ہوگی۔ یا قوی قیاس پر بنا ہوگی۔ یا براہ راست کتاب اللہ اور سنت رسولؐ سے مستخرج ہوگی۔ اور ایسے موقع پر امام مالک فرماتے ہیں ھذا احسن ما سمعت کہ مختلف اقوال ہیں راجح یہ ہے

★ اسی طرح کسی روایت کے تحت اپنا اجتہاد بھی بیان کرتے ہیں

★ اگر کبھی مختلف مجموعوں سے انتخاب فرماتے ہیں تو بلغنی کے صیغے سے بیان کرتے ہیں۔

★ کبھی اخبرنی من لا اتہم من اہل العلم بصدقہ فرماتے ہیں تو اس سے مراد مصر کے جلیل القدر امام حضرت لیث بن سعد ہوتے ہیں۔

★ اور کبھی عن الثقۃ عن بکیر بن عبد اللہ الاشج فرماتے ہیں تو اس ثقہ سے مراد ابن عبد البر کی رائے کے مطابق مخرمہ بن بکیر ہوتا ہے۔

★ اور کبھی عن الثقۃ عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ فرماتے ہیں تو ثقہ سے آپ کے شیخ عبد اللہ بن وہب مراد ہوتے ہیں۔

★ اور کبھی عن الثقۃ عن عبید اللہ بن عمر فرماتے ہیں۔ یہاں ثقہ سے مراد حضرت نافع ہوتے ہیں جو سلسلۃ الذہب ہے اب اس نسخہ کے بارہ میں کچھ گذارشات ملحوظ رکھیں۔

رواۃ نسخۂ متداولہ امام یحیٰ مصمودی | مؤطا کے متعدد نسخے ہیں۔ تقریباً ایک ہزار راویوں نے امام مالک سے روایت کی ہے۔ اس لئے اس کے نسخوں میں تقدیم تاخیر کمی بیشی اور اختلاف موجود ہے لیکن ان سب میں سے زیادہ شہرت اس متداول نسخہ کو حاصل ہے حتی کہ جب موطا کا ذکر کیا جائے تو مراد اور مقصود اس سے یہی ہوتا ہے۔ حالاں کہ کئی اہم نسخے اور بھی ہیں مثلاً موطا امام محمد۔ موطا ابن وہب موطا ابن بکیر وغیرہ لیکن شئ جب مطلق ذکر ہو جائے تو مراد کامل ہوتی ہے تو اس نسخہ کے راوی کون ہیں؟ تو اس کے راوی اول الامام الشیخ یحیٰ بن یحی بن کثیر بن وسلاس ابن شملل بن منقایا مصمودی اندلسی ہیں۔ یہ بربر کے مشہور قبیلے مصمودہ کی طرف منسوب ہیں۔ اس لئے مصمودی کہا جاتا ہے۔ اور صادی بھی کہتے ہیں ان کے اجداد میں سب سے پہلے منقایا یزید بن عامر لیثی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے اس نسبت ولاء موالات (ولاء اسلامی) کی وجہ سے امام یحیٰ بن یحیٰ کو لیثی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ اس ولاء اسلام کی نسبت ہے۔ ورنہ قبیلہ لیث سے انہیں کوئی تعلق نہیں ہے۔ منقایا کی اولاد میں سے یحیٰ کے دادا کثیر بن وسلاس نے پہلے اندلس میں سکونت اختیار کی۔

امام یحیٰ کے شیخ زیاد | ۱۵۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۲ سال کی عمر میں ۲۳۴ھ میں قرطبہ میں انتقال ہوا۔ اس

وقت قرطبہ میں امام مالکؒ کے شاگرد اور راوی مؤطا زیاد بن عبدالرحمان بن زیاد لخمی شیخ الحدیث تھے۔ یہ اول وہ شخص ہیں جس نے فقہ مالکی اور مؤطا بلاد مغرب (اندلس) میں پہنچائی۔ مغرب پر فقہ مالکی کا غلبہ ہے جس طرح عراق میں امام محمد اور امام یوسف جیسے حضرات نے فقہ حنفی پھیلائی۔ لیکن مغرب میں حنفی علماء نہ پہنچے۔ زیاد بن عبدالرحمان نے مدینہ کا سفر کیا۔ اور ان سے مذہب امام مالک ضبط کرکے اندلس کو منتقل کیا۔ زہد و تقویٰ میں ممتاز مقام کے مالک تھے۔ اندلس میں ان کا بڑا اثر تھا جن کی برکت سے وہاں مؤطا رائج ہوگیا۔ آپ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ جو شریک بدر تھے کی اولاد میں سے ہیں۔

امام یحییٰ بن یحییٰ نے وہاں قرطبہ میں حضرت زیاد بن عبدالرحمان سے مؤطا کا سماع حاصل کیا۔ پھر خیال آیا کہ امام مالک خود موجود ہیں۔ تو خواہش پیدا ہوئی کہ خود امام مالک سے مؤطا پڑھوں۔ چنانچہ اس شوق سے بیس یا اس سے زیادہ برس کی عمر میں مشرق (مدینہ منورہ) کا سفر اختیار کیا۔ اور امام مالکؒ سے بالذات موطا سنی۔ یہ ۱۷۹ھ امام مالک کی وفات کا سال تھا۔ خوش قسمت تھے کہ امام مالک کی وفات کے وقت وہاں موجود تھے۔ ان کی تکفین و تجہیز میں شریک ہوگئے۔ امام مالک نے ایک بار خود بھی آپ کو عاقل کے خطاب سے نوازا۔ واقعہ یہ ہے کہ عرب میں کسی نے ہاتھی نہیں دیکھا تھا۔ ایک مرتبہ ہاتھی آنے کی خبر آئی اس لئے مجلس میں موجود طلبہ بھی اٹھ کر ہاتھی دیکھنے کے لئے دوڑ پڑے لیکن امام یحییٰ بن یحییٰ پوری توجہ اور انہماک سے بیٹھے رہے اور ادھر ادھر دیکھنے کی کوئی حرکت نہیں کی۔ امام مالکؒ نے اس وقت فرمایا کہ یہ طالب علم عاقل ہے جس سے ان کی عقلمندی کا چرچا ہوگیا۔ آپ امام مالک کی آخری وصیت میں بھی موجود تھے۔ امام مالک نے آخری وقت وصیت فرمائی جس کے کچھ حصے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے بستان المحدثین میں نقل فرمائے ہیں۔

امام یحییٰ فرماتے ہیں کہ امام مالک پر مرض الموت میں بے ہوشی طاری تھی اس حالت میں آنکھیں کھولیں تو فرمایا۔ الحمد للہ الذی اضحک وابکی وامات واحیی اس اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں خوشی و غم میں کبھی ہنسایا اور کبھی رلایا۔ اسی کے حکم سے زندہ رہتے ہیں اور اسی کی مرضی سے جان دیتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے۔ صحبت اولیاء اللہ کی وجہ سے نہایت خوش ہوں اور فرمایا اولیاء اللہ اہل علم ہیں جو تعلیم اور تعلّم احادیث میں مشغول ہیں۔ اور نیز مسرور اور خوش ہوں کہ میری تمام زندگی علم کی طلب اور اشاعت علم میں بسر ہوئی۔ فرمایا۔ کہ علم شرائع و ادیان علم ثواب و عقاب اور علم حلال و حرام صرف مشکوٰۃ نبوت سے حاصل کیا جا سکتا ہے جو علماء و محدثین کو حاصل ہے بخلاف معقولات کے (ریاضی فلسفہ منطق) جن سے یہ چیز حاصل نہیں ہوسکتی۔ نیز فرمایا جو شخص علم حدیث کی طلب میں ہو تو ان کا ثواب اور کرامت انبیاء کرام کی کرامت اور ثواب کے برابر ہے۔ اور ایک حدیث کی علمی تحقیق شرح، مطالعہ اور بیان، راجح اور مرجوح معلوم کرنا اور اس کی اشاعت حج مقبول سے بہتر ہے۔ اور امام زہری جو امام مالک کے

۲۹ مسند احمد بن حنبل : ۳/۸۲

شیخ ہیں، فرمایا کرتے تھے کہ میرے نزدیک ایک سو غزوات سے بہتر ہے۔ یہ امام مالکؒ کا آخری کلام تھا اس کے بعد آنکھیں بند کرلیں اور وفات پا گئے۔

اس کے علاوہ امام یحییٰ نے ایک جلیل القدر شیخ عبداللہ بن وہب جو امام مالک کے ممتاز شاگردوں میں سے ہیں مؤطا روایت کیا اور اس کے علاوہ لیث بن سعد مصری۔ سفیان بن عیینہ اور نافع بن نعیم سے بھی اسی سال علم حاصل کیا یہ مدینہ کا پہلا سفر تھا اور اس کے بعد دوسرا سفر بھی کیا۔ دوسرے سفر میں صرف ابن القاسم (صاحب المدونۃ الکبریٰ) سے تحصیل علم کیا۔ پہلے سفر میں روایت کو پورا کیا اور دوسرے سفر میں درایت تکمیل کی۔

امام یحییٰ نے اس سال وفات میں تمام احادیث امام مالک سے پڑھیں۔ جو حدثنا حدثنا سے ذکر ہوئی ہیں سوائے تین ابواب کتاب الاعتکاف کے شاید کوئی اشد مجبوری پیش آئی ہو تو وہ تین آپ سے نہ سنیں۔ وہ تین ابواب یہ ہیں۔

۱۔ باب خروج المعتکف الی العید۔ ۲۔ باب قضاء الاعتکاف۔ ۳۔ باب النکاح فی الاعتکاف۔

یہ زیاد بن عبدالرحمن کے واسطے سے روایت کی ہیں۔ جہاں حدثنا زیاد عن مالک فرماتے ہیں۔

آپ چار مسائل کے علاوہ تمام مسائل میں امام مالکؒ کے مقلد تھے اور چار مسئلوں میں لیث بن سعد کا اتباع کیا ہے۔ بلاد مغرب میں مؤطا کی شہرت میں ان کا بڑا حصہ ہے۔

علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ریاست اور سلطنتوں کے سبب دنیا میں زیادہ رائج ہو گیا ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ریاستوں اور سلطنتوں کا قیام فقہ حنفی سے تھا۔ فقہ حنفی میں صلاحیت موجود ہے جو ہر دور میں مثلاً خلافت عباسیہ مغلیہ میں دستور عمل رہا ہے اور تمام حالات میں منقح دفعہ وار مدون اور اصوب ترین فقہ حنفی ہی ہے۔

اور مغرب میں مالکی مذہب کی اشاعت اس وجہ سے ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان مشائخ کو موقعہ بخشا اور وہاں پہنچ گئے اور دوسرے علماء نہیں پہنچ سکے۔ اس لئے وہاں مذہب مالکی کا فروغ ہو گیا۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مولانا محمد شہاب الدین ندوی
ناظم فرقانیہ اکیڈمی بنگلور ۵۷

خاص برائے الحق
قسط : ۳

عورت اور آزادانہ سیر و سیاحت

ایک آیت قرآنی پر بحث

لفظ سیاحت و رہبانیت کی تحقیق قرآن ، حدیث اور کلام عرب کی روشنی میں

سیاحت اور جہاد | چنانچہ بعض احادیث میں وضاحت کی گئی ہے کہ جہاد اس امت کی سیاحت ہے : عن ابی امامۃ ان رجلاً قال یا رسول اللہ ! ائذن لی فی السیاحۃ ۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : ان سیاحۃ امتی الجہاد فی سبیل اللہ تعالیٰ : ابو امامہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ مجھے "سیاحت" کی اجازت دیجئے ، تو آپ نے فرمایا کہ میری امت کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے ۔[۲۸]

اصل میں چونکہ اہل عرب کے نزدیک اہل کتاب کی دینی اعتبار سے زمانہ قدیم سے بہت زیادہ قدر و منزلت تھی اور ان کی ہر ادا کو وہ وقعت اور بزرگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے ، لہذا اسلام نے نفسیاتی اعتبار سے ان جذبات و میلانات کا رخ دوسری طرف موڑتے ہوئے چند نسخے تجویز کئے ۔ چنانچہ مذکورہ بالا حدیث اور اس کے الفاظ و اسلوب پر ایک نظر ڈالتے ہی اس نتیجے کی صداقت صاف نظر آتی ہے ورنہ لفظ سیاحت کے بعد بطور اضافت " امتی " کا لفظ بڑھانے کی کوئی دوسری وجہ نظر نہیں آتی ۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دیگر احادیث میں جہاد کو صاف صاف " اسلام کی رہبانیت " قرار دیا گیا ہے ۔ چنانچہ ایک شخص کے اس سوال پر کہ یا رسول اللہ مجھے کچھ تلقین فرمائیے ، آپ نے خصوصیت کے ساتھ ارشاد فرمایا :

وعلیك بالجہاد فانہ رہبانیۃ الاسلام : جہاد کو اپنے اوپر لازم کر لو ، کیونکہ یہ اسلام کی رہبانیت ہے ۔[۲۹]

---

[۲۸] سنن ابوداؤد ، کتاب الجہاد ، باب النہی عن السیاحۃ ، ۱۲/۳ ، مطبوعہ حمص ۔
[۲۹] مسند احمد بن حنبل : ۸۲/۳

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں مذکور ہے :

لکل نبیّ رهبانیة ورهبانیة هذه الامة الجهاد فی سبیل الله عزوجل : ہر نبی کیلئے ایک مخصوص قسم کی رہبانیت تھی ، اور اس امت کی رہبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے ۔[۳۰]

یہاں پر لفظ رہبانیت محض "صفت مشاکلت" کے طور پر مذکور ہے ، ورنہ صاف ظاہر ہے کہ جہاد اور رہبانیت کے تصورات میں بالکل تضاد پایا جاتا ہے ۔ بہر حال اس سے دو حقیقتیں ثابت ہوتی ہیں ۔ ایک یہ کہ سیاحت اور رہبانیت دراصل ایک ہی چیز کے دو نام یا ایک ہی سکّے کے دو رُخ تھے ۔ اور دوسری حقیقت یہ ثابت ہوتی ہے کہ جہاد کے ذریعہ دراصل عیسائیت کے تصوّر رہبانیت کو توڑ کر مسلمانوں میں کار زار حیات کو گرم کرنے اور جہد مسلسل کی اسپرٹ پیدا کرنی مقصود تھی ۔ تاکہ مسلمان جہاد زندگانی سے منہ موڑ کر اور تمدّنی ہنگامہ آرائیوں سے کنارہ کشی اختیار کر کے کسی ایک کونے کے ہو کر نہ بیٹھ جائیں ۔ اس طرح سورۂ توبہ کی زیر بحث آیات میں "جہاد اور سیاحت" کے تعلق پر بھی روشنی پڑتی ہے ۔

عیسائیوں میں رہبانیت کی ایک خاص شکل تمدّنی ہنگامہ آرائیوں سے کنارہ کشی کے علاوہ چونکہ عورتوں کی قربت سے مکمل پرہیز کرنا یعنی تجرّد کی زندگی اختیار کرنا بھی تھا ، جیسا کہ قتادہ سے منقول ہے :

ورهبانیة ابتدعوها ، قال ذکر لنا انهم رفضوا النساء واتخذوا الصوامع : اور انہوں نے درویشی کی بدعت جاری کی ۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ انہوں نے عورتوں کو چھوڑ دیا ــــ اور عبادت گاہوں کو پکڑ لیا ۔[۳۱]

اس لئے اسلام میں اس قسم کی تجرّد پسندانہ زندگی اور تصور حیات کی بھی نفی کی گئی ۔ کیونکہ اس سے بہت سے مفاسد پیدا ہو سکتے ہیں اور نظام تمدن درہم برہم ہو سکتا ہے ۔ اسی معنی میں یہ حدیث بھی مروی ہے :

ان الرهبانیة لم تکتب علینا : ہم پر درویشی مشروع نہیں کی گئی ہے ۔[۳۲]

نیز ایک صحابی عثمان بن مظعون کے متعلق جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ انہوں نے تجرّد کی زندگی اختیار کر لی ہے تو آپ نے انہیں بلا کر فرمایا :

انّی لم اؤمر بالرهبانیة ، ارغبت عن سنتی ۔؟ مجھے رہبانیت یا درویشی کا حکم نہیں دیا

---

[۳۰] مسند احمد بن حنبل : ۶/۲۶۶

[۳۱] الدر المنثور فی التفسیر الماثور ، از جلال الدین سیوطی : ۶/۱۷۸ ، مطبعہ دار المعرفۃ بیروت ۔

[۳۲] مسند احمد : ۶/۲۲۶

گیا ہے۔ کیا تم نے میری سنّت سے اعراض کیا ہے۔؟ تو صحابیؓ مذکور نے کہا: نہیں۔ پھر رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ دیکھو میری سنت یہ ہے کہ میں نماز بھی پڑھتا ہوں، سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں، کھانا بھی کھاتا ہوں۔ نکاح بھی کرتا ہوں، اور طلاق بھی دیتا ہوں، لہذا جس نے میری سنت سے منہ موڑا وہ مجھ سے نہیں ہے۔[۳۳]

سیاحت اور روزہ اب رہا معاملہ روزے کا تو اس سلسلے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے: عن عائشۃ قالت سیاحۃ ھذہ الامۃ الصیام: حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اس امت کی سیاحت روزہ رکھنا ہے۔[۳۴]

دیکھئے اوپر جس طرح جہاد کے بارے میں سیاحت کی نسبت امّت محمدیہ کیطرف کی گئی تھی۔ اسی طرح یہاں بھی کی گئی ہے۔ اس سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ اسلام میں سیاحت یا رہبانیت کے تصورات کو توڑنے کے لئے دراصل مختلف طریقے آزمائے گئے، جن میں سے ایک جہاد بھی تھا۔ تو دوسری طرف روزہ بھی ہے۔ اور جیساکہ آگے بیان ہوگا۔ اس سے طلب علم وغیرہ کی خاطر سفر کرنا بھی ہوسکتا ہے۔ مگر ان تمام مطالب ومقاصد میں روزہ رکھنا سب سے زیادہ مشہور ہوگیا۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ یہ ہر کس و ناکس کے لئے آسان اور سہل العمل نظر آتا ہے، بخلاف جہاد کرنے یا علم کی خاطر سفر کرنے یا ہجرت کرنے وغیرہ کے اس طرح امت اسلامیہ کے تمام طبقات اپنے اپنے احوال وظروف کے مطابق اس کا مصداق بن سکتے ہیں اور اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

روزہ رکھنے کے بارے میں حضرت عائشہؓ کے علاوہ حضرت ابوہریرۃؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابہ کرام اور بہت سے تابعین سے بھی کثیر روایات منقول ہیں جو کتب تفاسیر میں مذکور ہیں۔

بہرحال سائحون سے روزہ رکھنے والے مراد لینا اس کثرت کے ساتھ مشہور ومروج ہوا کہ وہ عرفاً اس لفظ کے لغوی مفہوم میں داخل ہوکر زبان وادب کا جزو بن گیا۔ یہی وجہ ہے کہ لغات کی تمام کتابیں "سیاحت" کے اس عرفی مفہوم سے بھری ہوئی نظر آتی ہیں، جیساکہ تفصیل اوپر گذر چکی، لہذا اکثر مفسرین ومترجمین نے "سائحون اور سائحات" سے مراد روزہ رکھنے والے مرد اور عورتیں لیا ہے۔ اور اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔ تو انہوں نے کون سا جرم کیا اور کون سی علمی خیانت کی ہے۔؟

---

[۳۳] سنن دارمی، کتاب النکاح: ۲/۱۳۳، مطبوعہ بیروت
[۳۴] جامع البیان فی تفسیر القرآن۔ از ابن جریر الطبری: ۱۱/۲۹

مفسرین کی رائے۔ | تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن جوزی، تفسیر ابن کثیر، تفسیر قرطبی، تفسیر روح المعانی اور دیگر تمام قدیم اور معتبر و مشہور تفاسیر میں اس کا یہی مرادی و عرفی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ کہ اس سے مراد روزہ رکھنے والے ہیں۔ حتیٰ کہ علامہ زمخشری، قاضی بیضاوی اور امام رازی جیسے ائمہ فن تک نے، جو اپنی عقلیت پسندی میں مشہور ہیں۔ اسی معنی و مفہوم کو اولیت دی ہے اور اس کو پسندیدگی کی نظروں سے دیکھا ہے۔ چنانچہ علامہ زمخشری جو زبان و ادب کے مسلّم امام ہیں، تحریر کرتے ہیں :

و (السائحون) الصائمون شبّهوا بذوی السیاحة فی الارض فی امتناعهم من شهواتهم وقیل هم طلبة العلم یسیحون فی الارض، یطلبونه فی مظانه۔ [۳۵]

ترجمہ: سائحون سے مراد روزہ دار ہیں، ان کو زمین میں سیاحت کرنے والوں سے تشبیہ اپنی خواہشات سے رکے رہنے کی وجہ سے دی گئی ہے۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ طالب ہیں جو زمین میں علم کی تلاش میں گھومتے اور اس کو مطلوبہ مقامات سے حاصل کرتے رہتے ہیں۔

قاضی بیضاوی تحریر فرماتے ہیں :

السائحون الصائمون لقوله علیه السلام سیاحة اُمتی الصوم۔ شبّه بها من حیث انه یعوّق عن الشهوات، اولانه ریاضة نفسانیة یتوصّل بها الی الاطلاع علی خفایا الملك او السائحون للجهاد او لطلب العلم : سائحون سے مراد روزہ دار ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کی سیاحت روزہ رکھنا ہے۔ یہ تشبیہ اس بنا پر ہے کہ روزہ خواہشات نفس کو روکنے والا ہے، یا اس وجہ سے ہے کہ یہ ایک نفسانی ریاضت ہے جس کے ذریعہ ملک، اور ملکوت کے بھیدوں کی اطلاع ملتی ہے۔ نیز اس سے مراد وہ لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو جہاد یا طلب علم کی خاطر سیاحت کرنے والے ہوں۔ [۳۶]

امام رازیؒ نے اس کے مفہوم و مقتضیٰ پر عقل و نقل کی روشنی میں سب سے زیادہ مفصّل بحث کی ہے۔ مگر چونکہ عبارت بہت طویل ہے اس لئے صرف اردو ترجمے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

---

۳۵ الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوه التاویل المعروف بہ تفسیر کشاف۔ از علامہ جار اللہ محمود زمخشری : ۲/۲۱۶، انتشارات آفتاب۔ تہران۔

۳۶ انوار التنزیل واسرار التاویل المعروف بتفسیر بیضاوی، ۲/۲۲۱، مطبوعہ دیوبند۔

فرماتے ہیں کہ : السائحون کے بارے میں چند اقوال مروی ہیں جو یہ ہیں :۔

قول اوّل : عام مفسّرین کے نزدیک اس سے مراد روزہ دار ہیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ قرآن میں جہاں بھی سیاحت کا لفظ آیا ہے اس سے مراد روزہ رکھنا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کی سیاحت روزے رکھنا ہے۔ حسنؒ سے مروی ہے کہ اس سے فرض روزے مراد ہیں۔ نیز کہا گیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو روزے رکھنے پر مداومت کرتے ہیں۔ بہرحال سائح کی تفسیر صائم کے معنی میں جس سبب سے بہتر نظر آتی ہے وہ دو ہیں : پہلی وجہ یہ ہے۔ کہ ازہری نے کہا ہے کہ صائم کو سائح اس وجہ سے کہا گیا ہے کیونکہ جو شخص زمین میں عبادت گزار کی حیثیت سے چلتا پھرتا رہے گا اس کے ساتھ زادِ راہ نہیں ہوگا اس طرح وہ کھانے سے رکا رہے گا۔ اور صائم بھی اسی طرح کھانے سے رکا رہتا ہے۔ اس مشابہت کی وجہ سے صائم کو سائح کہا گیا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ سیاحت کی اصل زمین میں مسلسل چلتے رہنا ہے جس طرح کہ پانی بہتا رہتا ہے۔ اس طرح روزہ دار بھی اپنی خواہشات یعنی خورد و نوش اور مجامعت سے باز رہتے ہوئے (مسلسل) اطاعت الٰہی میں لگا رہتا ہے۔ اور میرے نزدیک (ان دونوں کے علاوہ) ایک وجہ اور بھی ہے وہ یہ کہ انسان جب اکل و شرب اور مجامعت وغیرہ کو ترک کر کے شہوات کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لیتا ہے تو اس پر حکمت کے ابواب کھل جاتے ہیں اور عالم جلال کے انوار جلوہ افروز ہو جاتے ہیں اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص چالیس دن تک اللہ کے ساتھ اخلاص کا معاملہ کرتا ہے اس پر حکمت کے سوتے اس کے قلب و زبان سے ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اس طرح وہ اُن "سائحین" میں ہو جاتا ہے جو اللہ کے عالم جلال میں ہو کر ایک مقام سے دوسرے مقام تک اور ایک درجے سے دوسرے درجے تک منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ اس طرح اس کو عالم روحانیات کی سیاحت حاصل ہو جاتی ہے۔

قول دوم :۔ سائحین سے مراد طالب علم ہیں، جو ایک شہر سے دوسرے شہر کو طلب علم کی خاطر منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ اور یہ (ابن عباسؓ کے شاگرد اور مشہور تابعی) عکرمہؒ کا قول ہے۔ (اس موقع پر امام رازی نے سیاحت کے بارے میں بنی اسرائیل کی اس بدکار عورت کے لڑکے کا واقعہ بھی نقل کیا ہے جو اوپر ابن جریر کے حوالے سے گزر چکا ہے۔ پھر اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ تکمیل نفس کے لئے سیاحت کی عظیم تاثیر ہوتی ہے۔ کیونکہ اس راہ میں طالب طرح طرح کے مصائب سے دوچار ہوتا ہے جن پر اس کے لئے صبر و ثابت قدمی ضروری ہوتی ہے۔ اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب توشہ ختم ہو جاتے تو وہ توکل علی اللہ کا محتاج ہو جاتا ہے۔ (پھر) اس کی ملاقات مختلف فضلاء سے ہوتی ہے۔ جن میں سے ہر

ایک ... سے مخصوص فائدہ اٹھاتا ہے اور اس کی ملاقات جب اکابر سے ہوتی ہے تو ان کے مقابلے میں وہ خود کو حقیر سمجھنے لگتا ہے اور کبھی وہ اپنے کثیر مقاصد کو پا لیتا ہے اور ان سے فائدہ اٹھاتا ہے اور وہ کبھی دنیا والوں کے مختلف احوال کا مشاہدہ کرتا ہے جو مخصوص (جغرافیائی) اختلافات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ان احوال وکوائف کے ذریعہ اسکی معرفت قوی ہوجاتی ہے۔ بہرحال دینی اعتبار سے "سیاحت" کے ذریعہ قوی اثرات حاصل ہوتے ہیں۔

قول سوم :- ابو مسلم نے کہا ہے کہ "سائحون" سے مراد زمین میں چلنے پھرنے والے لوگ ہیں۔ (..... السائرون فی الارض) اور یہ لفظ "سیح" سے ہے جو بہتے ہوئے پانی کو کہتے ہیں۔ اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو جہاد اور ہجرت کی غرض سے نکلے۔ اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس سے پہلی آیت (توبہ : ۱۱۱) میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو جہاد پر ابھارا ہے۔ پھر یہ آیت (توبہ : ۱۱۲) مجاہدین کی صفات کے طور پر مذکور ہے۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ مجاہدین ان تمام صفات سے متصف ہوں۔ [۳۷]

اور امام راغب لکھتے ہیں :

(السائحون) یعنی روزہ رکھنے والے (السائحات) روزہ رکھنے والیاں۔ بعض نے کہا ہے کہ روزہ کی دو قسمیں ہیں : ایک تو حقیقی روزہ یعنی ترک طعام و جماع اور دوسرے حکمی روزہ یعنی جوارح کو گناہوں سے محفوظ رکھنا جیسے آنکھ، کان اور زبان۔ اس لحاظ سے (حقیقی) "سائح" وہ ہے جو دوسری قسم کا روزہ رکھے۔ نیز یہ بھی کہا گیا ہے کہ "سائحون" سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس آیت کے مقتضا کا قصد کرنے والے ہوں۔ (یتحرّون ما اقتضاہ قولہ ....) "افلم یسیروا فی الارض فتکون لهم قلوب یعقلون بها او آذان یسمعون بها۔" (کیا انہوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا کہ ان کیلئے سمجھنے والے دل اور سننے والے کان ہوتے !) [۳۸]

مختلف اقوال میں تطبیق | مذکورہ بالا اقوال ومباحث سے حسب ذیل تفسیریں سامنے آتی ہیں :

۱۔ تقریباً تمام ائمہ لغت اور مفسرین کے نزدیک اس سے اولین طور پر روزہ رکھنے والے مراد ہیں اور ثانوی طور پر کچھ اور

۲۔ دوسرے نمبر پر جہاد مراد ہے۔

---

[۳۷] مفاتیح الغیب المعروف بہ تفسیر کبیر، ۱۶/۲۰۳-۲۰۴، طبع جدید۔

[۳۸] المفردات فی غریب القرآن، ص ۲۴۶، دار المعرفۃ بیروت۔

۳۔ تیسرے نمبر پر طلبِ علم مراد ہے۔
۴۔ چوتھے نمبر پہ مہاجرین یعنی ہجرت کرنے والے لوگ مراد ہیں۔
۵۔ اور پانچویں نمبر پہ امام راغب کی تصریح کے مطابق عالم تکوین سے متعلق اللہ کی آیات اور اسکی نشانیوں کا سراغ لگانے کی خاطر مختلف مقامات کا سفر کرنے والے بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

۶۔ اور چھٹے نمبر پہ اس میں سفرِ حج بھی شامل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ابن عمرؓ کی ایک حدیث سے اس کا اشارہ نکلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت مبارکہ تھی کہ جب کبھی آپ کسی غزوے یا سفرِ حج یا سفرِ عمرہ سے لوٹتے تو راہ میں کسی بلندی سے گزرتے ہوئے آپ پہلے تو تین بار تکبیر کہا کرتے، پھر یوں فرماتے:

لاالہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ، لہ الملک ولہ الحمد، وھو علی کل شیئ قدیر، آئبون، تائبون، عابدون، سائحون لربنا، حامدون، صدق اللہ وعدہ، ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ سارا ملک اسی کا اور سب تعریف اسی کے لئے ہے اور وہ ہر چیز کی قدرت رکھنے والا ہے۔ (ہم سب) لوٹنے والے توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، اپنے رب کے لئے سیاحت کرنے والے اور حمد کرنے والے ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اور اپنے بندے کو کامران بنایا۔ اور (باطل) فوجوں کو تنہا شکست دی۔[۳۹]

اس دعائے نبوی میں قرآن کی زیرِ بحث آیت کریمہ کے اکثر الفاظ موجود ہیں اور لفظ سائحون بھی مذکور ہے۔ اس سے یہ استنباط ہو سکتا ہے کہ اس قسم کے اسفار بھی اس لفظ کے مقتضاء کے مطابق ہو سکتے ہیں۔ اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور نمونہ و مثال اپنے اقوال و افعال کے ذریعہ مختلف امور و مسائل کیطرف اشارہ کر دیا ہے۔

نیز اس موقع پہ ایک بہت بڑی حقیقت یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس حدیث پاک میں سائحون کے ساتھ "لربنا" کی بھی قید لگی ہوئی ہے، جس کا صاف مفہوم و مقتضا یہ ہے کہ مذکورہ بالا اقسام میں سے چاہے جس قسم کی بھی "سیاحت" اختیار کی جائے وہ محض اپنے رب کی خاطر اور پروردگار عالم کی رضا جوئی کے واسطے ہونی چاہئے، مطلق سیر سپاٹا اور لہو و لعب مطلوب و مقصود نہ رہے بلکہ دل ہمیشہ یادِ الٰہی میں لگا رہے۔ اور خدا کی یاد ایک لمحے کے لئے بھی دل سے محو نہ ہو۔ جیسا کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کے مطابق جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے آشکارا ہو رہا ہے۔ سفر و حضر اور سیاحت

---

۳۹ جامع ترمذی، ابواب الحج، باب مایقول عند القفول من الحج والعمرۃ، ۲/۲۱۳، بیروت

صحرانوردی میں اس قسم کی دعاؤں سے مقصود یہ ہے کہ خدا کی یاد سے انسان کبھی غافل ہو اور کھیل کود میں پھنس کر خدائی ضوابط کو کبھی فراموش نہ کرے۔

دیکھئے محض ایک ذراسی قید میں کتنی بڑی حکمت ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اور کس کس انداز میں حکمت وبصیرت کے موتی لٹائے گئے ہیں! کوئی ٹھکانہ ہے اس "کتاب حکمت" کے شارح اعظم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اس نکتہ سنجی اور دقیقہ آفرینی کا!! کیوں نہ ہو جس طرح قرآن حکیم ایک عظیم ترین اور لاثانی کلام ہے اس طرح اس کا اولین شارح اور ہادیٔ برحق ــــ فداہ ابی وامی ــــ بھی دنیا کا سب سے بڑا نکتہ رس اور تفہیمات الٰہیہ کا رازدار تھا جو اشاروں ہی اشاروں میں کتاب ربانی کے عقدہ ہائے لاینحل کو کھول کر رکھ دیتا اور حکمت ودانش کی ضیاباریوں سے شب ظلمت کو روشن کر دیتا ہے۔ تاکہ امت مسلمہ باد مخالف اور باد سموم کی ہلاکت خیزیوں سے مامون ومحفوظ رہے اور باطل کا سرپوری قوت کے ساتھ کچلا جا سکے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا جو انہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ (جمعہ: ۲)

"حکمت ودانش" کا یہی وہ انوکھا روپ اور اسکی بے مثال ضیاباری ہے جو ہر دور میں اس امت کے کام آرہی ہے اور آتی رہے گی۔ اور کبھی اور کسی بھی دور میں اس کے پائے ثبات میں کسی قسم کی لغزش پیدا نہ ہو گی، خواہ باطل اس کی راہ مارنے کی کتنی ہی کوشش کیوں نہ کر ڈالے۔

اب خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کتاب حکمت اور اس کے اس بے مثال شارح کے کلام میں اس قسم کے کتنے جواہر پارے "سربمہر خزانوں" کی طرح موجود ومحفوظ ہیں! کون ہے جو ان حکیمانہ کلاموں کی گہرائیوں کو ناپ سکتا ہو۔؟

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِیْمٍ عَلِیْمٍ : اور تم قرآن کو ایک (انتہائی) حکمت والی اور علم والی ہستی سے حاصل کر رہے ہو۔ (نمل: ۶)

لہٰذا خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دعویٰ کتنا حقیقت افروز اور عین مطابق واقعہ ہے۔

بعثتُ بجوامع الکلم : میں جامع کلمات کے ساتھ بھیجا گیا ہوں۔[۴۰]

---

[۴۰] بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب قول النبی صلعم بعثتُ بجوامع الکلم ۸/۱۳۸، مسلم، کتاب المساجد، حدیث نمبر ۶، ۱/۳۷۱، مطبوعہ ریاض۔

الا انی اُوتیت الکتاب ومثلہ معہ، الا انی اُوتیت القرآن ومثلہ معہ۔ ہاں جان لو کہ مجھے کتاب دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اسی جیسی ایک چیز اور بھی۔ ہاں دیکھو مجھے قرآن دیا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک ویسی ہی چیز اور بھی ہے[۱۲]

اس لحاظ سے قرآن اور حدیث دونوں ایک دوسرے کے مصدق و مؤید ہیں، ایک کی حیثیت متن کی سی ہے اور دوسرے کی شرح کی سی، جیسا کہ پچھلے تمام مباحث سے بخوبی واضح ہو گیا۔ اور ان دونوں میں تعارض وتضاد صرف اس کو نظر آسکتا ہے جس کی آنکھ میں بھینگا پن موجود ہو۔ غرض اہل کتاب میں جس قسم کی سیاحت یا رہبانیت مروج تھی اس کو مٹانے کی خاطر اس قسم کے پیمبرانہ ارشادات و ہدایات بطور تحدید نہیں بلکہ بطور مثال ہی ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا ان میں کسی قسم کا تعارض وتضاد نہیں ہے۔

نیز عیسائیت میں مروج سیاحت، یا رہبانیت، چونکہ زہد و تقشّف کے ساتھ ساتھ پرمشقت طرزِ عبادت تھا، اس لئے اسلام نے اس کا جو بھی نعم البدل تجویز کیا اس میں بھی مشروعیت کے ساتھ ساتھ مشقت بھی پائی جاتی ہے۔ خواہ اس کا درجہ کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔ جیسے جہاد یا روزہ، یا طلب علم کے لئے سفر یا ہجرت یا سفر حج وغیرہ۔ گویا "سیاحت" "مشقت" کا لازمہ ہے اور یہ عیسائیت و اسلام کے درمیان قدرِ مشترک ہے، اگرچہ ان دونوں کے اغراض و مقاصد بالکل مختلف و متضاد ہیں، جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے۔

نیز اسی طرح چونکہ سیاحت کی اصل "سیح" ہے، یعنی بہتا ہوا پانی، لہٰذا اس لفظ کی اصل کے مطابق مذکورہ بالا تمام امور میں تسلسل و دوامیت بھی ہونی چاہئے جس طرح کہ پانی کی خصوصیت مسلسل بہنا اور جاری رہنا ہے، یعنی جس طرح اس میں ٹھہراؤ نہیں ہوتا۔ اسی طرح اس قسم کی تمام عبادات و ریاضتوں میں بھی دائمی جریان اور بہاؤ ہونا چاہئے۔ یہ نہیں کہ چند دن تو عمل کرتے رہے، پھر تھک کر یا بیزار ہو کر خاموش بیٹھ گئے۔

اسلام کا تکمیلی کارنامہ | اس پوری بحث سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ "سیاحت" سے متعلق جو غلط تصورات اہل کتاب اور خصوصاً عیسائیوں میں رائج تھے کہ انتہائی جسمانی اذیت اور ترک راحت و لذت قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ یا ہو سکتا ہے، اس باطل اور غیر فطری تصورِ حیات کو مٹانا اور نظامِ تمدن کی صحیح اصلاح کر کے اس کو اپنی اصلی و فطری شکل میں لانا اسلام کا اصل مقصد تھا۔ ایک طرف تو انتہا پسندی تھی اور دوسری طرف دین و شریعت کے میدان میں نووارد اور بھولے بھالے عرب تھے جو اپنی

---

[۱۲] مسند احمد بن حنبل: ۴/ ۱۳۱، مطبوعہ بیروت۔

نوآموزی کی بنا پر اہل کتاب کی نام نہاد دینداری سے ——— ایک طرح سے مرعوب یا متاثر تھے اور چاہتے تھے کہ دینداری کے میدان میں ہم بھی اہل کتاب کا مقابلہ کریں۔ جیسا کہ مختلف واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اصلاحی نقطۂ نظر سے شریعت و اخلاق کا یہ ایک نہایت درجہ نازک مسئلہ و مرحلہ تھا۔ اور قوموں کی زندگیوں میں ایسے بہت سے نازک مراحل و مقامات آتے رہتے ہیں، جب کہ ان کا سابقہ مختلف اقوام اور ان کے نظامہائے اخلاق و تمدن سے پڑتا ہے۔

غرض ایک طرف تو دین کی تکمیل ہو رہی تھی اور شریعت الٰہیہ کی تجدید نو و تشکیل نو عمل میں آرہی تھی، دوسری طرف اہل کتاب کے غلط معتقدات و مزعومات تھے جن کی اصلاح بھی ضروری تھی، تیسری طرف "تازہ دم عربوں کی، جو خلافت ارض کا بار امانت سنبھالنے کے لئے اہل کتاب جیسے عضو ناکارہ اور مادۂ فاسدہ کے مقابلے میں اپنی صالح فطرت کے باعث ہر نقش نو کو قبول کرنے کی حیرت انگیز صلاحیت رکھتے تھے۔ اصلاح و تربیت اس طرح کی جاری تھی کہ ایک طرف تو وہ اہل کتاب کے گمراہانہ اثرات سے محفوظ اور ان کی پرچھائیوں تک سے دور بھی رہیں اور دوسری طرف ان ربانی اہداف و مقاصد کی تکمیل کا بھی ذریعہ بن سکیں جن کی وجہ سے انسان کی تخلیق عمل میں آئی تھی اور حضرت آدم علیہ السلام کے سر پر تاج خلافت رکھا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ سیاحت یا رہبانیت تصور خلافت کی عین ضد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خلافت ارضی یا زمین کی جانشینی کا واضح تصور اور واضح مقصد حیات دے کر دنیا میں بھیجا تھا۔ تاکہ دنیا سے ظلم و زیادتی کو مٹا کر عدل الٰہی کو قائم کیا جاسکے۔ چونکہ اس مقصد عظیم کی تکمیل اسلام کا بنیادی ہدف تھا اس لئے دنیا کے سب سے بڑے معلم اخلاق اور ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصور سیاحت و رہبانیت پر کاری ضرب لگاتے ہوئے اس کا دھارا دوسری طرف موڑ دیا۔ (جاری)

★ ڈاکٹر عبداللہ محمد العریب
★ ترجمہ۔ تعمیر حیات

کیا خمینی سُنّیوں کے بھی قائد ہیں؟

ڈاکٹر عبداللہ محمد العریب کی کتاب سے اقتباس :

خمینی صاحب نے اسلام کے نام پر ایران میں انقلاب برپا کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ انقلاب اسلامی ہے اور یہ تمام مسلمانوں کا نمائندہ انقلاب ہے۔

ان کے انقلابی نظریے اور اس کے نافذ کرنے کی صورت میں پیدا ہونے والے حالات مناسب ہیں، اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ایران کے سنّی اب عام طریقے سے خمینی صاحب کے رویہ سے شاکی ہیں، اور ان کی طرف سے اب باقاعدہ ایسا لٹریچر آرہا ہے جس میں ان کی اپنی بپتا تفصیل سے بیان کی جاتی ہے اس لٹریچر کے مندرجات کی صداقت خمینی کی ان رایوں سے جان لینے سے معلوم ہو سکتی ہے۔ جو ذیل کے چند اقتباسات میں درج ہیں۔ یہ اقتباسات خود خمینی صاحب کی تصنیف کردہ کتابوں میں سے ڈاکٹر عبداللہ محمد العریب نے ایران کی مذہبی و سیاسی تاریخ پر اپنی کتاب میں پیش کی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :-

---

ہمارے سامنے خمینی صاحب کی تین کتابیں ہیں۔

(۱) ولایۃ الفقیہ یا الحکومۃ الاسلامیہ (۲) من هنا المنطلق (۳) جهاد النفس او الجهاد الاکبر

ان کتابوں کے مندرجات کی روشنی میں خمینی صاحب اور ان کے انقلاب کے بارہ میں کوئی رائے قائم کرنا کسی حد تک آسان ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان میں ان کے خیالات کا نچوڑ آ گیا ہے۔

حکومت اسلامی کے متعلق ان کا کہنا یہ ہے کہ اس کی ذمہ داری امام معصوم غائب کے نائبین ہی انجام دیں گے۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اسلامی حکومت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کے زمانے میں تھی۔ درمیانی کڑیوں کو وہ چھوڑ دیتے ہیں اور وہ کہتے ہیں :-

”فی غدیر خم فی حجۃ الوداع عینہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حاکما من بعدہ ومن حینہا بدأ الخلاف یدبّ الی نفوس القوم“

ترجمہ ۔اور غدیر خم میں حجۃ الوداع کے موقع پر ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد کے لئے حاکم بنایا اور اس وقت سے ہی کچھ لوگوں کے دلوں میں اختلاف شروع ہوگیا۔ (الحکومۃ الاسلامیہ صہ ۱۴۱)

اپنے ائمہ کے بارے میں وہ لکھتے ہیں بے شک ہمارے مذہب کی لازمی باتوں میں سے یہ ہے کہ ائمہ کے مقام تک نہ تو کوئی مقرب فرشتہ پہنچتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل۔

و ان من ضرورات مذهبنا ان لائمتنا مقاما لا يبلغه ملك مقرب ولا نبی مرسل (الحکومۃ الاسلامیہ صہ ۳۵)

اپنے ائمہ کے متعلق مزید لکھتے ہیں :" ہمارے ائمہ کو ذمہ داریوں کی باگ ڈور ہاتھ میں لینے کا موقع نہیں ملا اور وہ زندگی کے آخری لحظہ تک اس کے انتظار میں رہے۔ لہذا فقہا اور مستند حضرات کو چاہیئے کہ موقع کی تلاش میں رہیں اور صحیح حکومت کی تنظیم و تشکیل کے لئے موقعہ سے فائدہ حاصل کریں۔ ان کی اپنی عبارت یہ ہے ۔

لم تسنح الفرصة لائمتنا للأخذ بزمام الامور وكانوا بانتظارها حتى آخر لحظة من الحياة فعلى الفقهاء والعدول أن يتحينوا هم الفرص و ينتهزوها من اجل تنظيم وتشكيل حكومة رشيدة (الحکومۃ الاسلامیہ ص ۵۴)

اپنی کتاب جہاد النفس او الجہاد الاکبر میں حضرت معاویہؓ کے بارے میں سخت الفاظ لکھتے ہیں۔

" معاوية ترأس قومه اربعين عاما ولكنه لم يكسب لنفسه سوى لعنة الدنيا وعذاب الاخرة " ص ۱۶

ترجمہ ۔ معاویہ نے اپنی قوم کی چالیس سال تک سربراہی کی لیکن انہوں نے اپنے لئے دنیا کی لعنت اور عذاب آخرت کے سوا اور کچھ حاصل نہ کیا۔

نصیر الدین طوسی کو حضرت حسینؓ کے ساتھ ملا کر ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔ کہ انہوں نے اسلام کی عظیم خدمات انجام دیں (الحکومۃ الاسلامیہ ص ۱۲۸)

حالاں کہ نصیر الدین طوسی اور ابن علقمی کافر تاتاری حاکم ہلاکو خان کے مددگار رہنے ۔ اور اس نے ان کے تعاون سے بغداد کو تباہ کیا اور وہاں کی سنی آبادی کا قتل عام کیا۔ پھر نصیر الدین طوسی تاتاریوں کے وزیر ہوئے ۔ ان کو خمینی صاحب رہنما اور مقتدا سمجھتے ہیں۔

حضرت علیؓ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں :۔ اور نبیؐ کے بعد تیس سال تک امیر المومنین کی امامت رہی ۔ ان میں سے چوبیس سال چھ ماہ تک امامت کے احکام کی انجام دہی ان کے لئے ممنوع رہی ۔ اس زمانے میں وہ تقیہ اور رعایت پر عمل کرتے رہے باقی ماندہ پانچ سال اور چھ ماہ کی مدت میں وہ عہد شکن اور بے دین منافقین سے جہاد کرنے کی آزمائش میں مبتلا رہے ۔ اور ان گمراہ لوگوں کے فتنوں کی مصیبت جھیلنی پڑی ۔ وہ اس سلسلے میں مثال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکی اور مدنی دور سے دیتے ہیں ۔ کہ حضرت علیؓ کے لئے اپنی خلافت سے قبل کا زمانہ نبوت کے مکی دور کی طرح تھا ۔ وہ لکھتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نبوت کے تیرہ سال کی مدت میں نبوت کے احکام کو پورا کرنے میں رکاوٹیں پیش آتی رہیں اور خوف

رکاوٹ میں بھاگے اور نکالے ہوئے رہے۔ نہ کافروں سے جہاد کر سکتے تھے اور نہ مومنوں کا دفاع کر سکتے تھے۔ پھر ہجرت فرمائی اور ہجرت کے بعد دس سال تک مشرکوں سے جہاد کرتے رہے اور منافقوں کی طرف سے آزمائش میں رہے حتٰی کہ اللہ تعالیٰ جل اسمہ نے ان کو اپنے یہاں اٹھا لیا۔ اور جنت نعیم میں جگہ دی۔ (الحکومۃ الاسلامیۃ صہ ۱۳۱)

شیعہ حضرات جن کے خمینی صاحب سربراہ ہیں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اسلام کی حکومت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علیؓ کے زمانے میں رہی۔ چنانچہ خمینی صاحب کی جو عبارت نقل ہوئی ہے۔ اس میں سے حضرت علیؓ سے قبل کی خلافت راشدہ کو خمینی صاحب نے نظر انداز کر دیا۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس مدت میں خلافت چھپی ہوئی چیز اور غیر شرعی تھی۔ ان کے نزدیک حکومت کے معاملات صرف بارہ امام اور ان کے نائبین کے ساتھ خاص ہیں۔

خمینی صاحب اپنے اماموں کے بارہ میں نہایت بلند الفاظ لکھتے ہوئے ان کی تعلیمات کے متعلق لکھتے ہیں۔ کہ ان کی تعلیمات قرآن کی تعلیمات کی طرح ہیں۔ جن کا نفاذ اور اتباع واجب ہے۔ (الحکومۃ الاسلامیہ ص ۱۱۳)

ائمہ کی قبروں کی تقدیس کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔ کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ ائمہ کی قبروں کے پیچھے اور دائیں اور بائیں نمازیں پڑھی جائیں اگرچہ اولیٰ بات یہ ہے کہ سر کے پاس نماز پڑھی جائے لیکن اس طرح کہ امام علیہ السلام کے مساوی نہ ہو۔"

(تحریر الوصیلہ۔ جلد ا۔ ص ۱۶۵)

تحریر : ڈاکٹر عبدالکریم زیدان سابق پروفیسر بغداد یونیورسٹی
ترجمہ : استاد تاج الدین الازہری ۔ قاہرہ ، مصر ۔

حقیقتِ اسلام

چند جامع تشریحات کی روشنی میں

اللہ رب العالمین نے جب سے انسان کو اس کرہ ارضی پر بھیجا ہے اسی وقت سے اس کی ہدایت کا بندوبست بھی کر دیا ہے ۔ آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارنے سے پہلے ہی اس کی خبر دے دی گئی تھی ۔ ارشاد باری ہے ۔

فاما یاتینکم منی ھدیً فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔

بے شک تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت آئے گی سو جس نے اس ہدایت کی پیروی کی اس پر کوئی خوف اور ڈر نہیں ہو گا ۔

حضرت آدم علیہ السلام اس کرۂ ارضی پر سب سے پہلے انسان اور سب سے پہلے رسول تھے ۔ ان کے بعد ان کی اولاد میں انبیاء اور رسولوں کا ایک ایسا مقدس سلسلہ چلا جس سے انسانیت کا ہر فرد واقف ہے ۔ ہر وقت دنیا کے ہر خطے میں کوئی نہ کوئی نبی اور رسول انسانی ہدایت کے لئے موجود رہا ۔ تاکہ انسانی ہدایت کی یہ گاڑی اپنی پٹڑی سے اترنے نہ پائے ۔ آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے ۔ آپ نے بھی تمام انبیاء اور رسولوں کی طرح توحید الٰہی کی طرف بلایا ۔ اور انسانی صداقت کی اس گاڑی کو جو اپنی پٹڑی سے اتر چکی تھی پھر سے سیدھی راہ پر ڈال دیا ۔ آپ جو دین لے کر آئے اس کا نام " اسلام " ہے ۔ آپ نے اسلام کی دعوت کو مکہ کے لوگوں تک پہنچایا اور جب اہل مکہ کے ظلم وستم سے مجبور ہو کر بحکم الٰہی آپ کو ہجرت کر کے مدینہ منورہ منتقل ہونا پڑا تو آپ نے وہاں بھی اسی اسلام کی دعوت دی اسلام نہ صرف یہ کہ مدینہ منورہ میں پھیلا بلکہ اس نے مدینہ منورہ سے آگے بڑھ کر جزیرہ عرب کو اپنے نور سے منور کیا اور آج پوری دنیا میں اس کی دعوت پھیل چکی ہے ۔ اسلام دنیا کے تمام مذاہب میں سے ایک بڑا مذہب مانا جاتا ہے اس لئے کہ رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ دین ہے ۔ اور اپنی صحیح صورت میں جیسا کہ اپنے نزول کے وقت تھا آج بھی موجود ہے ۔

آج کوئی شخص اسلام کی تعریف کے بارے میں پوچھے تو ہم اس کے سامنے کئی ایک مترادف تعریفیں پیش کر سکتے ہیں ۔

اول | حدیث جبرئیل جس میں جبرئیل علیہ السلام نے ایک بدو کی صورت میں آکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے متعلق پوچھا تاکہ حاضرین سن لیں۔ اور اس طرح انہیں دینی امور کی تعلیم حاصل ہو جائے۔ اس میں جبرئیل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ اسے اسلام کے متعلق بتائیں۔ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا۔

الاسلام ان تشهد ان لا اله الا الله و ان محمداً رسول الله و تقیم الصلاۃ و تؤتی الزکوٰۃ و تصوم رمضان و تحج البیت ان استطعت الیه سبیلا ہ

اسلام یہ ہے کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو اور استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرو۔

دوم | اسلام اللہ رب العالمین کی اطاعت اور فرماں برداری ہے اور اس میں یہ شرط ہے کہ یہ اطاعت اور فرماں برداری اختیاری ہو نہ کہ جبری، کیونکہ رب العالمین کی جبری اطاعت اور فرماں برداری تو تمام مخلوق کر رہی ہے۔ اس میں نہ کوئی ثواب ہے اور نہ عذاب۔ رب العالمین خود فرماتے ہیں۔

افغیر دین الله یبغون وله اسلم من فی السمٰوٰت والارض طوعا و کرها و الیه یرجعون (آل عمران ۸۳)

پھر کیا دین خداوندی کے سوا اور کسی طریقہ کو چاہتے ہیں حالاں کہ حق تعالیٰ کے سامنے سب سرافگندہ ہیں جتنے آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں، خوشی سے اور بے اختیاری سے اور سب خدا ہی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔

تمام مخلوق اللہ تعالیٰ ہی کی مطیع اور فرماں بردار ہے۔ اور وہ اپنے وجود، بقا اور فنا ہونے میں قانونِ الٰہی کی پابند ہے۔ خود انسان بھی دوسری مخلوق کے ساتھ اسی جبری اطاعت و فرماں برداری میں برابر کا شریک ہے لیکن رب العالمین کی اطاعت و فرماں برداری کو بذات خود یعنی اپنی جانب سے اختیار کرنا ہی اسلام کا اصلی جوہر ہے۔ اور وہ اسی کا انسان سے مطالبہ کرتا ہے۔ اسی کی بنیاد پر ثواب اور عذاب ہوگا۔ اور اسی کا عملی مظاہرہ شریعت الٰہی کی مرضا و رغبت پوری پوری اطاعت ہے۔ اسی وجہ سے اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین قرار دیا گیا۔

رب العالمین نے اسے انبیاء علیہم السلام کی طرف نازل فرمایا۔ اور انہوں نے اسے تمام لوگوں تک پہنچایا رب العالمین فرماتے ہیں:۔

ان الدین عندالله الاسلام (آل عمران ۱۹)

و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه و هو فی الاخرة من الخاسرین ہ (آل عمران ۸۵)

من یسلم وجهه الی الله و هو محسن فقد استمسك بالعروة الوثقیٰ و الی الله عاقبة الامور (لقمان ۲۲)

ووصی بها ابراھیم بنیه و یعقوب یا بنی ان اللہ اصطفٰی لکم الدین فلا تموتن الا و انتم مسلمون ۝ ام کنتم شھداء اذ حضر یعقوب الموت ۔ اذ قال لبنیه ما تعبدون من بعدی ۔ قالوا نعبد الٰھك و الٰه اٰبائك ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق الٰھا واحدا ونحن له مسلمون ۝ (البقرۃ ۱۳۲۔۱۳۳)

- بلاشبہ دین مقبول اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے ۔
- اور جو کوئی اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو اس سے مقبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا ۔
- اور جو شخص اپنا رخ اللہ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا اور انجام سب کاموں کا اللہ ہی کی طرف پہنچے گا ۔
- اور اس کا حکم کر گئے ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹوں کو اور اسی طرح یعقوب علیہ السلام بھی ۔میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے اس دین اسلام کو تمہارے لئے منتخب فرمایا ہے سو تم بجز اسلام کے کسی اور حالت پر جان مت دینا ۔ کیا تم خود اس وقت موجود تھے جس وقت یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا اور جس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم لوگ میرے مرنے کے بعد کس چیز کی پرستش کروگے ۔تو انہوں نے بالاتفاق جواب دیا کہ ہم اس کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے بزرگ حضرت ابراہیم ، اسماعیل اور اسحاق پرستش کرتے چلے آئے ہیں ۔یعنی وہی معبود جو وحدہٗ لاشریک ہے ۔اور ہم اس کی اطاعت پر قائم رہیں گے ۔

پھر اسلام کو اسی دین کے ساتھ خاص کر دیا ۔ جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی طرف سے لائے تھے ۔اور اس دین کی کسی قید اور شرط کے بغیر اطاعت اور فرماں برداری ہی اسلام قرار پائی ۔ اس کی اطاعت سے انسان کی رب العالمین کی اختیاری اطاعت وفرماں برداری ظاہر ہوتی ہے ۔اور اسی وجہ سے سبحانہ وتعالیٰ نے اسلام سے متعلق اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے ۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (المائدۃ ۳)

آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام مکمل کر دیا ۔ اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا ۔

اسی وجہ سے اسلام کی ایک خاص تعریف ہوتی ہے اور یہی اسلام کا لفظ استعمال کرتے وقت مقصود ہوتی ہے جسے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ

اسلام رب العالمین کی اطاعت وفرماں برداری بذات خود اختیار کرنے کا نام ہے اور اس کی عملی صورت

شریعت الٰہی کی مکمل پیروی ہے جسے اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے بھیجا اور اسے لوگوں تک پہنچانے کا حکم دیا۔

سوم | اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے تمام امور پر حاوی ہے اور اس میں انسان کی زندگی گذارنے کے لئے ایک مکمل پروگرام ہے جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کی طرف سے لے کر آئے۔ اور اسی کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے مامور کئے گئے۔ اسی کی فرماں برداری اور نا فرمانی ثواب اور عذاب کی بنیاد ہے۔ اللہ رب العالمین نے خود ارشاد فرمایا ہے :-

من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه و هو فی الاخرة من الخاسرین (آل عمران ۸۵)

جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو اس سے مقبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔

چہارم | اسلام عقیدہ، اخلاق، عبادات اور معاملات وغیرہ سے متعلق رب العالمین کی طرف سے اس کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ قرآن اور سنت رسول سے ثابت احکامات کے مجموعے کا نام ہے۔ اسی کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے رب العالمین نے اپنے رسول کو مکلف کیا تھا۔ ارشاد باری ہے۔

یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالته والله یعصمک من الناس (المائدہ ۶۷)

اے رسول جو کچھ رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا پیغام بھی نہیں پہنچایا اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

جو رب العالمین نے جبرئیل امین کے ذریعہ بھیجا وہ قرآن ہے اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اور بیان فرمایا وہ سنت مطہرہ ہے کتاب وسنت کے تمام احکام کا سمجھنا ہی دین ہے اور یہی اسلام ہے۔

پنجم | اسلام ان تین سوالوں کا جواب ہے جو ماضی میں بھی انسانی عقل کا نقطۂ ارتکاز رہے ہے۔ اور آج بھی ہیں اور ہر انسان جب بھی اپنی زندگی پر غور کرتا ہے، کسی کے جنازے کو کندھا دیتا ہے یا قبرستان کی زیارت کرتا ہے تو اس کے ذہن میں لازمی طور پر جو سوالات ابھرتے ہیں وہ یہ ہیں۔

۱- ہم کہاں سے آئے ہیں؟
۲- ہم کیوں آئے ہیں ؟
۳- ہمارا ٹھکانا کہاں ہوگا ؟

ان سوالوں کے صحیح جواب جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دئیے ہیں ان کی تفصیلات کے مجموعے کا نام اسلام ہے۔

پہلے سوال سے متعلق رب العالمین ارشاد فرماتے ہیں :-

- يا ايها الناس ان كنتم فى ريب من البعث فانا خلقناكم من تراب ثم من نطفة ثم من علقة ثم من مضغة مخلقة و غير مخلقة لنبيّن لكم و نقر فى الارحام ما نشاء الى اجل مسمى ثم نخرجكم طفلاً ثم لتبلغوا رشدكم و منكم من يتوفى و منكم من يرد الى ارذل العمر لكى لا يعلم من بعد علم شيًا (الحج ۵)
- ولقد خلقنا الانسان من سلالة من طين ثم جعلناه نطفة فى قرار مكين ثم خلقنا النطفة علقة فخلقنا العلقة مضغة فخلقنا المضغة عظاما فكسونا العظام لحما ثم انشاناه خلقاً اخر فتبارك الله احسن الخالقين (المومنون ۱۲ تا ۱۴)
- الذى احسن كل شئ خلقه وبدأ خلق الانسان من طين ثم جعل نسله من سلالة من ماء مهين ثم سواه و نفخ فيه من روحه وجعل لكم السمع و الابصار و الافئدة فقليلا ما تشكرون (السجده ۷ تا ۹)
- هل اتى على الانسان حين من الدهر لم يكن شيئًا مذكورا - انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتليه فجعلناه سميعًا بصيرا (الانسان ۲،۱)
- فلينظر الانسان مم خلق - خلق من ماء دافق - يخرج من بين الصلب والترائب (الطارق)

اے لوگو! اگر تم قیامت کے روز دوبارہ زندہ ہونے سے شک وانکار میں ہو تو ہم نے اول تم کو مٹی سے بنایا، پھر نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر بوٹی سے کہ بعض پوری ہوتی ہے اور بعض ادھوری بھی: تاکہ ہم تمہارے سامنے اپنی قدرت ظاہر کر دیں اور ہم ماں کے رحم میں جس نطفہ کو چاہتے ہیں ایک مدت معین تک ٹھہراتے ہیں پھر ہم تم کو بچہ بنا کر باہر لاتے ہیں تاکہ تم اپنی پوری جوانی کی عمر تک پہنچ جاؤ - اور بعضے تم میں سے ایسے بھی ہیں جو جوانی سے پہلے ہی مر جاتے ہیں اور بعضے تم میں وہ ہیں جو نکمی عمر یعنی بڑھاپے تک پہنچا دئے جاتے ہیں جس کا اثر یہ ہے کہ انسان ایک چیز سے باخبر ہو کر پھر بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔

- ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ یعنی غذا سے بنایا، پھر ہم نے اس کو نطفہ سے بنایا جو کہ ایک مدت معینہ تک ایک محفوظ مقام (رحم) میں رہا۔ پھر ہم نے اس نطفہ کو خون کا لوتھڑا بنا دیا اور پھر ہم نے اس خون کے لوتھڑے کو گوشت کی بوٹی بنا دیا۔ اور پھر ہم نے اس بوٹی کے بعض اجزاء کو ہڈیاں بنا دیا اور پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت چڑھا دیا پھر ہم نے اس میں روح ڈال کر اس کو ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا دیا۔ سو کیسی بڑی شان والا ہے اللہ تعالیٰ جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔

- جس نے ہر چیز بنائی خوب بنائی اور انسان کی پیدائش مٹی سے شروع کی پھر اس کی نسل کو ایک بے قدر پانی سے بنایا پھر اس کے اعضا درست کئے اور اس میں اپنی روح پھونکی اور تم کو کان آنکھیں اور دل دئے تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو۔
- بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے جس میں وہ کوئی چیز (قابل تذکرہ) نہ تھا۔ ہم نے اس کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا اس طور پر کہ ہم اس کو مکلف بنائیں تو اس واسطے ہم نے اس کو سنتا (دیکھتا سمجھتا) بنایا۔
- انسان کو دیکھنا چاہئے کہ اس کو کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے وہ ایک اچھلتے پانی سے پیدا کیا گیا ہے جو پشت اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے۔

یہ اور اس قسم کی آیتیں بتاتی ہیں کہ انسان کچھ نہ تھا بلکہ وہ معدوم تھا اللہ تعالی نے اسے مٹی سے پیدا فرمایا پھر حقیر پانی سے اس کی اولاد پیدا فرمائی۔ پہلے انسان کی پیدائش جو آدم علیہ السلام تھے مٹی یا گارے سے ہوئی تھی اور اس کی باقی اولاد نطفۃ من منی یمنی (القیامہ ۱۳) اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کی گئی ہے۔ جو پشت اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے۔ اسی طرح دوسرے سوال کے جواب میں رب العالمین کا ارشاد ہے۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (الذریات ۵۶)

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس واسطے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔ عبادت اللہ تعالی کی معرفت، اس کی محبت، اس کے آگے جھکاؤ اور اس نظام کی مکمل اطاعت ہی کا دوسرا نام ہے جسے اللہ تعالی نے انسان کے لئے بھیجا ہے تاکہ وہ بلند و بالا مرتبے تک پہنچ سکے اور وہ دنیا و آخرت دونوں میں سرخرو ہو سکے۔

تیسرے سوال کے جواب میں رب العالمین کا ارشاد ہے:۔

- یا ایھا الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملٰقیہ (انشقاق ۶)
- اللہ یبدأ الخلق ثم یعیدہ ثم الیہ ترجعون (روم ۱۱)
- ثم الی ربکم مرجعکم فینبئکم بما کنتم تعملون (الزمر ۷)
- وان الی ربک المنتھٰی (النجم ۴۲)
- ان الی ربک الرجعٰی (العلق ۸)
- اے انسان تو اپنے رب کے پاس پہنچنے تک یعنی مرنے تک کام میں کوشش کر پھر قیامت کے دن اس کام کی جزا ملے گا۔
- اللہ تعالیٰ خلق کو اول بار بھی پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ اس کو پیدا کرے گا پھر تم اس کے پاس لائے جاؤ گے۔ پھر اپنے پروردگار کے پاس تم کو لوٹ کر جانا ہوگا۔ سو وہ تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا۔

- اور یہ کہ سب کو اپنے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے۔
- بے شک تیرے رب ہی کی طرف سب کو لوٹنا ہوگا۔

یہ آیتیں انسان کی موت کے بعد اس کا ٹھکانہ بیان کرتی ہیں اور وہ اس کے خالق کی طرف واپسی ہے تاکہ اسے دنیا کے اعمال کا بدلہ دیا جا سکے۔ اور جو مکان اس کے لائق ہو اس میں اسے رکھا جا سکے۔ اگر اس نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مگن رہ کر اپنے آپ کو پاک باز بندوں میں سے کر لیا تو اسے نیک اور پاک باز بندوں کی جگہ دے دی جائے گی اور اگر وہ نافرمانیوں میں ملوث رہ کر انہیں اپنے ساتھ لئے چلا آیا تو اسے نافرمانوں کی جگہ دے دی جائیگی جس کا نام جہنم ہے۔

ششم | اسلام ہی انسان کی روح کے لئے وہ حقیقی علاج اور راہ ہدایت ہے جس میں بشریت کے امراض کی مکمل شفا ہے اور اس پر چلنے والا کبھی گمراہ نہیں ہو سکتا خود رب العالمین ارشاد فرماتے ہیں۔

- وکذالك اوحینا الیك روحاً من امرنا۔ ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان ولکن جعلناہ نوراً نھدی بہ من نشاء من عبادنا وانك لتھدی الی صراطٍ مستقیم۔ صراط اللہ الذی لہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض الا الی اللہ تصیر الامور (الشوریٰ ۵۲)
- ونـنزل من القرآن ماھو شفاء ورحمة للمومنین (الاسراء ۸۲)
- قل ھو للذین اٰمنوا ھدًی وشفاء (الآیة)
- اسی طرح ہم نے آپ کے پاس بھی وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے۔ آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب اللہ کیا چیز ہے؟ لیکن ہم نے اس قرآن کو ایک نور بنایا جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت کرتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ ایک سیدھے راستے کی ہدایت کر رہے ہیں یعنی اس خدا کے راستے کی طرف کہ اس کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے۔ یاد رکھو سب امور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔
- اور ہم قرآن میں ایسی چیزیں نازل کرتے ہیں کہ وہ ایمان والوں کے حق میں شفا اور رحمت ہیں۔
- آپ کہہ دیجئے کہ وہ (قرآن) ایمان والوں کے لئے ہدایت اور شفا ہے۔

ان تعریفوں سے واضح ہے کہ یہ اسلام کی بعض صفات کی مناسبت سے کی گئی ہیں۔ جو اس کا لازمی جزو ہیں۔ اسی طرح اس کے دوسرے اوصاف کی وجہ سے اس کی اور تعریفیں بھی کی جا سکتی ہیں جیسے ہم کہہ سکتے ہیں کہ "اسلام دینِ فطرت ہے۔"

خود رب العالمین ارشاد فرماتے ہیں:-

- فاقم وجھك للدین حنیفا فطرة اللہ التی فطر الناس علیھا لاتبدیل لخلق اللہ۔ ذالك الدین القیم

ولکن اکثر الناس لا یعلمون (الروم ۳۰)

سو تم یک سو ہو کر اپنا رخ اس دین کی طرف رکھو۔ اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز کو جس پر اس نے تمام آدمیوں کو پیدا کیا ہے بدلنا نہ چاہیئے بس سیدھا یہی ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔"

جیسے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ "اسلام دین توحید ہے"، "دین علم ہے"، "دین عدل وانصاف ہے" کیونکہ اس میں یہ معانی مکمل طور پر پائے جاتے ہیں ان کی طرف دعوت دی جاتی ہے اور ان کی تاکید کی جاتی ہے۔

اسلام کی دوسری تعریفیں | اسلام کی جتنی تعریفیں پیش کی گئی ہیں یہ بطور مثال ہیں۔ نہ کہ اس کی کوئی اور تعریف ہو ہی نہیں سکتی۔ اسلام کی مختلف تعریفیں مختلف عبارتوں میں ممکن ہیں۔ بشرطیکہ تعریف کا مضمون صحیح ہو اور اسلام کے اصلی معنوں پر منطبق ہوتا ہو اور تعریف کے الفاظ واضح ہوں ان میں کسی قسم کا غموض، التباس اور اشتباہ نہ ہو۔

عدم تناقض و اختلاف | دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ ہم نے جتنی بھی تعریفیں پیش کی ہیں سب کی سب صحیح ہیں۔ ان میں آپس میں نہ کوئی تناقض ہے اور نہ اختلاف کیونکہ جو ایک تعریف میں مذکور ہے۔ اس کا ذکر کسی نہ کسی طرح دوسری تعریف میں ہے اگر فرق ہے تو الفاظ میں ہے نہ کہ معانی میں۔ الفاظ کا یہ اختلاف نہ تو وحدت مضمون پر اثر انداز ہوتا ہے اور نہ ہی اس دلالت میں فرق پڑتا ہے جو اسلام کے صریح معانی میں پنہاں ہے۔

مختلف تعریفوں کا مقصود | ان مختلف تعریفوں سے مقصد یہ ہے کہ ایک داعی کے سامنے اسلام کی مختلف تعریفیں ہوں تاکہ وہ مدعو کے حسب حال، اس کی سمجھ، ثقافت، علم، سلامت فطرت اور ان شبہات کو جو اس کے ذہن کو گھیرے ہوئے ہوں مدنظر رکھ کر کوئی ایک تعریف کر سکے جس کی ضرورت مدعو کو دوسری تعریفوں سے زیادہ ہو۔ ایک شخص جس کا زیادہ تعلق فلسفہ سے ہے اور اس پر مختلف امور مشتبہ ہیں اگر اسلام کے متعلق پوچھے تو پانچویں تعریف بتائی جا سکتی ہے۔ کہ اسلام ان سوالوں کا صحیح جواب ہے جو انسانی ذہن پر وارد ہوتے ہیں کہ ہم کہاں سے آئے ہیں۔ کیوں آئے ہیں اور ہمارا ٹھکانا کہاں ہے؟ اور اسی جواب کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں تک پہنچایا ہے۔ قانونی اور اجتماعی امور میں کام کرنے والے کو تیسری تعریف کے ذریعے جواب دیا جا سکتا ہے۔ اور اسلام کی وہی تعریف اس کے مناسب حال ہے۔ اسی طرح جب غیر مسلم اسلام سے متعلق سوال کرے تو پہلی تعریف کے ذریعے اس کا جواب ممکن ہے کہ اسلام اس چیز کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔

استدراک

جناب خسرو متی صاحب
— ناظم آباد۔ کراچی —

تحریکِ خلافت

علی برادران —— اور —— دو مقبول عوامی نظموں کے شاعر

صفر ۱۴۰۴ھ کے شمارہ الحق کے صفحہ ۳۸ کی آخری سطر میں پروفیسر محمد اسلم صاحب کو تسامح ہوا ہے کہ انہوں نے تحریکِ خلافت کے دور کے مشہور شعر ؎ بولیں اماں محمد علی کی — جان بیٹا خلافت پہ دیدو ۔ کو خود مولانا محمد علی جوہر کا فرمودہ بنایا ہے، جبکہ واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے میں جن دو عوامی نظموں کو ہندوستان کے طول و عرض میں مقبولیت عام حاصل ہوئی ان میں سے پہلی نظم "صدائے خاتون" کا یہ اوّلین شعر ہے ۔ اس نظم کے کچھ ہی عرصہ بعد ایک دوسری نظم "صدائے مظلوم" یا "کراچی کے قیدی" بھی اسی حد تک عوام میں مقبول ہوئی تھی، جسکا پہلا شعر —————— ؎ کہہ رہے ہیں کراچی کے قیدی — ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو ۔ تھا۔ یہ دونوں ہی منظومات کسی غیر معروف متشاعر کی ہیں جس نے ان دونوں ہی کے آخری بندوں میں اپنا نام و تخلص "یاسین" شامل کیا ہے ۔ اگرچہ فکری اعتبار سے تو ان دونوں میں سے کسی میں بھی کوئی خاص شعری ندرت نہیں ہے اور فنی معیار سے بھی سقیم ہیں لیکن کیونکہ یہ دونوں ہی اس عہد کے برانگیختہ عوامی جذبات کی ترجمان تھیں، لہٰذا نہ صرف شہروں بلکہ دور افتادہ دیہات تک میں گھر گھر گائی جاتی تھیں، حتّٰی کہ اس مقبولیت میں ہندو یا مسلم کی بھی تخصیص نہیں تھی کیونکہ تحریکِ خلافت میں، سیاسی شہرت و منفعت اندوزی کیلئے گاندھی اینڈ کو بھی منافقانہ شریک ہوکر تحریک کے سورماؤں میں شمار ہوتے تھے۔

اوّل الذکر "صدائے خاتون" میں چار چار مصرعوں کے پندرہ بند یعنی تیس[۳۰] اشعار ہیں اور پندرھویں بند کے تیسرے مصرعہ میں تخلص (یاسین) باندھا گیا ہے، جس سے واضح ہے کہ اس نظم کا کوئی شعر مولانا جوہر کا نہیں ہو سکتا۔ اس کے ابتدائی شعر سے خدا جانے پروفیسر صاحب کو یہ التباس کیوں ہوا کہ مولانا کا ہے، جبکہ "بولیں اماں محمد علی کی" کسی دوسرے شخص کا ہی قول ہو سکتا ہے۔ نہ کہ خود مولانا محمد علی کا (جن کے مجموعۂ کلام میں یہ شعر درج نہیں ہے۔) دوسری عوامی نظم "صدائے مظلوم" یا "کراچی کے قیدی" میں بھی چار چار مصرعوں کے ہی اٹھارہ بند یعنی چھتیس[۳۶] اشعار ہیں اور اس کے بھی آخری بند کے دوسرے مصرعہ میں تخلص (یاسین) شامل ہے۔

ان دونوں منظومات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا خالق موزوں طبع تو ضرور تھا مگر [illegible] فن سے نابلد چنانچہ

"صدائے مظلوم" کے پندرھویں بند کے ابتدائی تینوں مصرعوں میں بغیر قافیہ کے صرف ردیف "مبارک" ہی سے کام چلایا ہے۔ دوسرے یہ کہ دونوں نظموں کے ہر بند میں جو چوتھا مصرعہ دہرایا گیا ہے، جس سے ترجیع بند کی سی شباہت پیدا ہو گئی ہے، ایسی ترجیع صرف طاق مصرعوں والے بند میں ہوتی ہے۔ جبکہ ان دونوں کے ہر بند میں صرف چار چار مصرعے ہی ہیں۔ پھر ایک عجوبہ یہ بھی کہ ہر بند کا چوتھا مصرعہ تو مرجوعہ ہے ہی لیکن ہر دو ابتدائی بندوں کا مصرعہ ثانی بھی وہی ہے۔ یعنی ہر دو افتتاحی بندوں کا مصرعۂ اولیٰ اور ثالثہ تو البتہ باہم مختلف ہیں، لیکن دوسرا اور چوتھا مصرعہ ایک ہی ہے۔ پھر یہ بھی کہ چوتھا مرجوعہ مصرعہ اکثر بندوں میں پہلے تین مصرعوں سے غیر مربوط ہے۔ مزید لطیفہ یہ کہ "صدائے مظلوم" کے دسویں بند میں "کھوتے" اور "روتے" کے قوافی کے ساتھ "چھوٹے" باندھا گیا ہے۔ "صدائے خاتون" ماں کا تخاطب دونوں بیٹوں سے "صدائے مظلوم" کراچی کے قیدیوں کا پوری قوم کو پیغام ہے۔ لیکن دونوں میں تخلص ایسے بے ڈھنگے پن سے ٹھونسا گیا ہے کہ بالکل انمل بے جوڑ ہو گیا ہے۔

حاصل نگارش یہ کہ ان دونوں منظومات کے خالق نے محض موزونیت طبع کے زور پر عوام کے وقتی جذبہ کی ترجمانی کیلئے یہ موزوں کی تھیں اور کیونکہ اس دور کے عوامی احساسات و جذبات سے ہم آہنگ تھیں لہذا عوام کے ذہنوں اور زبانوں پر جگہ پا گئیں۔ لیکن کیونکہ یہ صرف اس خاص وقت کی آواز تھیں لہذا وقتی مقبولیت ہی پا سکیں اور پھر محض اس حیثیت کی حامل رہ گئیں کہ اس دور میں جہاد حریت کے ان دونوں مجاہدوں کو پیش آمدہ ابتلاء اور اس میں ان کی بے خوفی اور صبر و استقامت کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ قطع نظر ان نظموں کے متشاعر کی فنی نااہلیت کے یہ ماننا پڑے گا کہ اس نے اس دور کے عوامی جذبات کی ترجمانی کیلئے نہج اظہار بلاشبہ بہت ہی متاثر کن اختیار کیا کہ "صدائے خاتون" تو ایک بیوہ ضعیف ماں کی ماتا بھری آواز میں بے گناہ گرفتار عقوبت بیٹوں کے مصائب پر فریاد اور ساتھ ہی ساتھ انہیں پیام عزیمت و استقلال ہے اور "صدائے مظلوم" ان اسیران بلائے افرنگ کی زبان سے اپنی قوم کو حق پر استقامت اور باطل سے مقاومت کی وصیت، نیز مستقبل میں خود پر توڑے جانے متوقع مظالم کے مقابلہ کیلئے اظہار جرأتمندی ہے۔ سیدھی سادی عام فہم زبان میں اس طریقۂ اظہار جذبات عمومی نے اگر اس ہیجانی دور میں عوام کو مسحور کر لیا تھا تو کیا تعجب ہو سکتا ہے۔

ان دونوں نظموں کی تخلیق کے وقت کا تعین یوں کیا جا سکتا ہے۔ کہ علی برادران کی اس ابتلا کے مختلف مدارج کی تاریخوں پر نظر ڈالی جائے۔ مولانا جوہر کو (آسام سے مدراس جاتے ہوئے والٹیر ریلوے اسٹیشن پر) ۱۴ ستمبر ۱۹۲۱ء کو گرفتار کیا گیا تھا۔ اور اسی مہینے کی ۲۶ تاریخ کو (کراچی کے خالقدینا ہال میں) ان کے اور ان کے رفقاء کے خلاف مقدمہ کی سماعت شروع ہو کر یکم اکتوبر ۱۹۲۱ء کو ختم ہوئی اور ۴ نومبر ۱۹۲۱ء کو ان دونوں بھائیوں اور ان کے پانچ ساتھیوں کو دو دو سال کی قید بامشقت کی سزا کا مستوجب قرار دیا گیا تھا۔ لہذا "صدائے خاتون" تو ۲۶ ستمبر

۱۹۲۱ء سے ۴ر نومبر ۱۹۲۱ء تک کے اس زمانۂ تذبذب کی ہے جبکہ اندیشہ یہ تھا کہ یا تو ان دونوں بھائیوں کو عمر قید کی سزا دیکر "کالے پانی" (جزیرۂ انڈمان) بھیج دیا جائے گا۔ یا پھانسی دیدی جائے گی۔ جیسا کہ اس نظم سے ظاہر ہے۔ اور "صدائے مظلوم" اس مقدمہ کا ڈھونگ رچا کر ۴ر نومبر ۱۹۲۱ء کو فیصلہ صادر کرنے کے فوری بعد کی ہے۔ جب ان سات افراد کی دو دو برس کی اسارت کا آغاز ہو رہا تھا۔ اب آپ ان بھولی بسری دونوں نظموں کو (معہ ان کی مذکورہ فنی خامیوں کے) ملاحظہ فرمائیں:

صدائے خاتون

۱۔ بولیں اماں محمد علی کی
جان بیٹا خلافت پہ دے دو
ساتھ تیرے ہے شوکت علی بھی
جان بیٹا خلافت پہ دے دو

★

۲۔ ہو تمہیں میرے گھر کا اُجالا
تھا اسی واسطے تم کو پالا
کام کوئی نہیں اس سے اعلیٰ
جان بیٹا خلافت پہ دے دو

★

۳۔ اے مرے لاڈلے مرے پیارو
اے مرے چاندلے مرے تارو
میرے دل اور جگر کے سہارو
جان بیٹا خلافت پہ دے دو

★

۴۔ صبر سے جیل خانے میں رہنا
جو مصیبت پڑے اسکو سہنا
کیجیو اپنی اماں کا کہنا!
جان بیٹا خلافت پہ دیدو

۵۔ بوڑھی اماں کا کچھ غم نہ کرنا
کلمہ پڑھ کر خلافت پہ مرنا
پورا اس امتحان میں اترنا
جان بیٹا خلافت پہ دیدو

★

۶۔ گر ذرا سست دیکھونگی تم کو
دودھ ہرگز نہ بخشونگی تم کو
میں دلاور نہ سمجھونگی تم کو
جان بیٹا خلافت پہ دیدو

★

۷۔ میرے بچوں کو مجھ سے چھڑایا
دل حکومت نے میرا دکھایا
اس بڑھاپے میں مجھ کو ستایا
جان بیٹا خلافت پہ دیدو

★

۸۔ میرے بچوں کو پکڑا سفر میں
کسطرح چین ہو مجھ کو گھر میں
خاک دنیا ہے میری نظر میں
جان بیٹا خلافت پہ دیدو

۹۔ اب مری حق سے فریاد ہوگی
غیب سے میری امداد ہوگی
میری محنت نہ برباد ہوگی
جان بیٹا خلافت پہ دے دو

★

۱۰۔ ہوتے میرے اگر سات بیٹے
کرتی سب کو خلافت پہ صدقے
ہیں یہی دینِ احمدؐ کے رستے
جان بیٹا خلافت پہ دیدو

★

۱۱۔ کالے پانی خوش ہو کے جانا
سجدۂ شکر میں سر جھکانا
میں پڑھوں گی خدا کا دوگانہ
جان بیٹا خلافت پہ دیدو

★

۱۲۔ پھانسی آئے اگر تم کو جانی
مانگنا مت حکومت سے پانی
بات رکھیو خاندانی
جان بیٹا خلافت پہ دیدو

۱۳۔ حشر میں حشر بپا کرونگی
پیش حق تم کو لیکر چلوں گی
اس حکومت پہ دعویٰ کرونگی
جان بیٹا خلافت پہ دیدو

۱۴۔ دین و دنیا میں پاؤگے عزت
سب کہیں گے شہید خلافت
اے محمد علی اور شوکت
جان بیٹا خلافت پہ دیدو

۱۵۔ آج اسلام نزغہ میں آیا
ظلم کفار نے مل کے ڈھایا
چین یا سین ہم نے نہ پایا
جان بیٹا خلافت پہ دیدو

صدائے مظلوم

۱۔ کہہ رہے ہیں کراچی کے قیدی
ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو
آبرو حق کے رستے میں دیدی
ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

★

۲۔ لو، سزا بیگناہوں نے پائی
آج ہوتی ہے تم سے جدائی
سارے ہندو مسلمان بھائی
ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

★

۳۔ قید سے ہم جو جیتے بچیں گے
بھائیو تم سے پھر آملیں گے
صبر سے شکر سے ہم رہیں گے
ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

★

۴۔ تم ہمیں یاد کرکے نہ رونا
آنسوؤں سے نہ دامن بھگونا
مل کے سوراج کا بیج بونا
ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

۵۔ کام مل کر خلافت کا کرنا
جز خدا کے کسی سے نہ ڈرنا
حق کے رستہ پہ کچھ کر گزرنا
ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

★

۶۔ جرم بس ہم نے اتنا کیا تھا
دین احمد کا فتویٰ دیا تھا
کیا حکومت کا اس میں برا تھا؟
ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

★

۷۔ بات قرآن کی جب سنائی
یہ سزا اس کے بدلے میں پائی
مل کے سب دو خدا کی دوہائی
ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

★

۸۔ بات ہم نے کہی تھی جو سچی
اس کے بدلے میں پیسیں گے چکی
کس کی تقدیر ہے ہم سے اچھی
ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

۹۔ ہائے سچی شریعت کے عالم
ہائے دین محمد کے خادم
دشمنوں کے بنے آج مجرم
ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

★

۱۰۔ ہیں مسلمان سب جان کھوتے
آسماں پر فرشتے ہیں روتے
صبر کرلیں بڑے اور چھوٹے
ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

★

۱۱۔ کچھ نہیں بال بچوں کا غم ہے
پر خلافت کا ہم کو الم ہے
بس اسی واسطے چشم نم ہے
ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

★

۱۲۔ بے خطا تھے، سزا پا رہے ہیں
بے گناہ قید میں جا رہے ہیں
ہم کو اغیار کلپا رہے ہیں
ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

۱۳۔ دینِ حق کی حمایت کے خاطر
اور پیاری خلافت کے خاطر
اس نبیؐ کی امانت کے خاطر
ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

۱۵۔ عیش دنیا کے تم کو مبارک
خواں سب نعمتوں کے مبارک
ہم کو فاقہ پہ فاقہ مبارک
ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

۱۷۔ ہتھکڑی تو ہے مردوں کا گہنا
جانگیہ ہم نے کمبل کا پہنا
آدھی ٹانگیں ہیں ننگی برہنہ
ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

★ ★ ★

۱۴۔ تم کو محلوں میں رہنا مبارک
بستر اور بچھونا مبارک
جیل کا ہم کو کونا مبارک
ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

۱۶۔ تم کو تن زیب سلطے مبارک
تم کو ریشم کے کپڑے مبارک
ہم کو کمبل کے ٹکڑے مبارک
ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

۱۸۔ ہے سلام آخری یہ ہمارا
کہ دو یاسینؔ تم آشکارا
قید میں ہم کریں گے گزارا
ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

اس "صدائے مظلوم" کے بند نمبر ۶، ۷، ۸ میں تلمیح کی وضاحت یہ ہے کہ ۸ تا ۱۰ ستمبر ۱۹۲۱ء کراچی کی بندر روڈ پر عید گاہ میدان میں منعقدہ خلافت کانفرنس میں ۹ ستمبر ۱۹۲۱ء کو پورے ہندوستان کے کم و بیش پانچ سو مقتدر علمائے دین کے اس متفقہ فتوے کا اعلان کیا گیا تھا کہ کیونکہ انگریز ترکوں سے برسرِ پیکار ہیں لہٰذا ان کی فوج میں ملازمت یا اس جنگ میں انگریزوں کے ساتھ کسی قسم کا انفرادی یا اجتماعی تعاون از روئے قرآن و حدیث خلافِ شرع ہے اور پھر ۱۱ ستمبر ۱۹۲۱ء کو مولانا جوہرؔ نے اختتامی خطبۂ صدارت میں پر زور طریقہ پر اس فتوے کے مطابق عمل کیلئے ہندوستانی مسلمانوں کو دعوت دی تھی۔ اسی خطبۂ صدارت پر مولانا اور ان کے رفقاء کے خلاف مسلمان سپاہیوں میں حکومت کے خلاف بد دلی اور بغاوت پھیلانے کا الزام لگا کر اس مقدمہ کا ڈرامہ کھیلا گیا تھا۔ اور دورانِ مقدمہ مولانا جوہرؔ نے استغاثہ کے جواب میں وہ معرکتہ الآرا، مدلل و مسکت تقریر عدالت میں کی تھی، جس میں اپنے موقف پر شد و مد سے اصرار کرتے ہوئے عائد کردہ الزام کی توثیق کی تھی۔ اور اس نظم کے بند نمبر ۹ میں جن علمائے شریعت اور خدامِ دین کیطرف اشارہ ہے۔ ان سے مقصود مولانا حسین احمد مدنی، مولانا نثار احمد کانپوری اور مولانا غلام مجدد سرہندی ہیں، جو علی برادران، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور سوامی شنکر آچاریہ کے ساتھ اس مقدمہ میں ماخوذ تھے۔

امید ہے کہ ان سطور سے پروفیسر محمد اسلم صاحب کی محولہ صدر تحریر سے پیدا شدہ قارئین کی غلط فہمی کا ازالہ بھی ہو جائیگا۔ نیز از یاد رفتہ یہ دونوں نظمیں بھی "الحق" کے صفحات پر محفوظ تر ہو جائیں گی۔ میں کئی سال سے کوشش کر رہا ہوں کہ ان منظومات کے خالق کے متعلق معلومات حاصل کر سکوں لیکن ہنوز ناکام ہوں۔ ممنون ہوں گا اگر اس تحریر کا کوئی قاری یہ بتا سکے کہ یاسینؔ کون تھا، کس شہر اور کس محلہ میں رہتا تھا، اس کے مشاغلِ حیات اور ذریعۂ معاش کیا تھا، خاندانی پس منظر کیا تھا۔ اور کیا وہ باقاعدہ تحریکِ خلافت سے وابستہ تھا یا محض وقتی طور پر حالات سے متاثر ہو کر اپنے یہ جذبات منظوم کئے تھے۔؟ وغیرہ وغیرہ۔

بحث و نظر

از مولانا عبدالقیوم حقانی
مدرس دارالعلوم حقانیہ

نصاب مدارس عربیہ کی تشکیلِ جدید کا مسئلہ

درسِ نظامی، پس منظر، پیش منظر

وفاق المدارس العربیہ کا مجوزہ نصاب شائع ہو چکا ہے۔ اور بعض مدارس میں جاری کر کے تجربہ بھی کر لیا گیا ہے اور ایک طبقہ مصر ہے کہ دینی مدارس آنکھیں بند کر کے اسے جوں کا توں قبول کر لے دوسری جانب علمی حلقوں کے ردعمل کے نتیجے میں "وفاق" نے نصاب کی تشکیل جدید کے لئے ایک نئی ۱۲ رکنی نصاب کمیٹی بنا دی ہے۔ ضروری تھا کہ مجوزہ نصاب اور مروج درس نظامی کا تقابلی جائزہ، دیانت دارانہ تجزیہ اور ایک علمی و تحقیقی تبصرہ کر دیا جائے تا کہ ذمہ دار علمی حلقے اور نمائندہ نصاب کمیٹی ایک مثبت اور نتیجہ خیز قدم اٹھانے میں کامیاب ہو (عبدالقیوم حقانی)

درس نظامی ہندوستان کی علمی تاریخ اور علمی زبان کا سب سے زیادہ نمایاں لفظ ہے۔ سہالی نامی ایک گاؤں (جو لکھنؤ سے کوئی بتیس میل کے فاصلہ پر ہے جس نے آگے چل کر فرنگی محل کا لقب اختیار کیا) میں ملا نظام الدین نے قیام اختیار فرمایا جو رفتہ رفتہ ایک عظیم مدرسہ اور زندہ کالج کی شکل اختیار کر گیا۔ جہاں ملا نظام الدین کے فیض کا بادل شب و روز برستا رہا۔ چنانچہ آپ کے گرد استفادہ کرنے والوں کی ایک جماعت کثیر جمع ہو گئی۔

شب و روز میں جس وقت بھی جو کچھ بولتے تھے وہی ان کا علمی لیکچر ہوتا تھا۔ ان کی حرکات سکنات، وضع قطع اور طور طریقے سارے خاموش لیکچر تھے۔ تلامذہ اور افادہ کا حلقہ وسیع ہوتا چلا جا رہا تھا۔ اور طلبا علوم و معارف کی دولت سے مالا مال ہو رہے تھے۔ دلی اور لکھنؤ اگرچہ دارالسلطنت اور پایہ تخت تھے مگر علمی فیض رسانی کی وجہ سے سہالی کو بجا طور دارالسلطنت سے ہمسری کرنے کا دعویٰ کرنے کا حق حاصل تھا۔ جس کے پرتوِ فیض سے نہ صرف ایشیا بلکہ آج پوری دنیا روشن اور مستنیر ہے۔

جب سہالی درس گاہ کے فیض یافتہ ملکوں ملکوں پھیلنے لگے تو دنیا ثمر کو دیکھ دیکھ کر درخت کو بھی پہچاننے لگی۔

اور ملا نظام الدین کا شہرہ چار دانگ عالم میں پھیل گیا۔ ابوالمعالی نامی ایک ایرانی فاضل ملا نظام الدین کی علمی عظمتوں کا شہرہ سن کر ملاقات کے لئے جب سہالی آیا تو دیکھا کہ ملا صاحب اپنی درس گاہ میں چٹائی پر بیٹھے درس دے رہے ہیں۔ چونکہ ابوالمعالی نے ایرانی علماء کا جاہ وجلال دیکھا تھا۔ چٹائی پر بیٹھے ہوئے سبق پڑھانے والے ملاّ نظام الدین کی طرف اس کا خیال بھی نہ جا سکا۔ پوچھا!

مولانا نظام الدین کہاں تشریف رکھتے ہیں؟

آپ نے فرمایا۔ مولانا کا حال تو میں نہیں جانتا البتہ نظام الدین میرا ہی نام ہے۔ پھر ایرانی فاضل نے آپ سے اولاً مذہب شیعہ کی روایات اور مسائل دریافت کئے۔ اور پھر اہل سنت کے مسائل و روایات پوچھے۔ آپ نے تسلّی بخش جواب دئے تو ایرانی فاضل آپ کی تقریر اور علمی بحث سے بے حد متاثر ہوا۔ اور عش عش کر اٹھا۔

ملا نظام الدین نے کثیر تصنیفات بھی لکھی ہیں۔ مثلاً شرح مسلم الثبوت، صبح صادق، شرح منار، حاشیہ صدرا حاشیہ شمس بازغہ۔ حاشیہ برحاشیہ قدیمہ۔ لیکن ملا صاحب کی شہرت ان تصنیفات سے کم اور اپنے مخصوص طریقہ درس کی بدولت زیادہ ہوئی ہے۔ آپ کے حلقۂ درس سے علامہ بحر العلوم عبدالعلیؒ ملا کمال (جن کے دامن فیض میں حمد اللہ جیسے یگانہ روزگار نے تربیت حاصل کی ہے اور جن کی شرح مسلم نظام تعلیم میں باقاعدہ طور داخل ہے) جیسے عالم فاضل اور ماہر اساتذۂ فن پیدا ہوئے۔ ملاّ حسن کو بھی آپ سے تلمذ کا شرف حاصل ہے۔

اہل علم جانتے ہیں کہ غیر منقسم ہندوستان میں دو سو سال سے علوم و معارف کے گلشنوں میں جو بہاریں نظر آتی ہیں اور رنگ برنگے پھول کھلے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ملا نظام الدین اور آپ کے باکمال تلامذہ نے اپنا پسینہ اور خون نچوڑ کر اس کی آبیاری کی ہے۔ خدا کرے کہ اہل گلستان اس کی آبروؤں کی لاج رکھ سکیں۵

گلوں کی آبرو لٹتی ہے لیکن کچھ نہیں کہتے
خدا جانے کہ غیرت کیا ہوئی اہل گلستاں کی

آج جہاں کہیں بھی علوم عربیہ کا نشان باقی ہے۔ یہ درحقیقت ملا نظام الدین اور آپ کے باکمال تلامذہ کا پرتو فیض ہے۔ ہندوستان کے جس شخص نے بھی تحصیل علم کا احرام باندھا۔ اس کا رخ درس نظامی کی طرف رہا تب کامیاب جب درس نظامی کی تکمیل کی۔ افسوس کہ اب اس کعبہ کو بھی ویران کیا جا رہا ہے۔

درس نظامی سے پہلے ہندوستان کے علماء کی ایک تصنیف بھی داخل نصاب نہ تھی۔ ملا نظام الدینؒ نے ہندوستان

---

۵ علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں۔ کہ درحقیقت ہندوستان کی خاک سے کوئی شخص اس جامعیت کا شروع اسلام سے آج تک پیدا نہیں ہوا (ع ق)

اپنے معاصر علماء کی اہم تصنیفات داخلِ درس کردیں۔ مثلاً سلم، نورالانوار، مسلم، رشیدیہ، شمس بازغہ وغیرہ۔ یہ کارنامہ آپ کی انصاف پرستی اور بلند حوصلگی کا بڑا ثبوت ہے۔ علماء میں یہ چیز بہت کم پائی جاتی ہے۔ کہ وہ اپنے معاصرین کی علمی برتری کا اعتراف کریں۔ مگر ملا صاحب نے اپنے وقت کے باکمال علماء کی عزت کی۔ اور ان کی کتابیں داخلِ درس کردیں جب کہ اپنی کسرِ نفسی کا یہ عالم تھا کہ اپنی کوئی تصنیف بھی نصاب میں داخل نہ کرسکے۔ اس حاوی اور ہمہ گیر نصابِ تعلیم میں سب سے زیادہ اہم اور مقدم خصوصیت جو ملّا نظام الدین اور آپ کے باکمال تلامذہ کے پیشِ نظر رہی یہ تھی کہ "اس نصاب کے پڑھنے والوں میں قوتِ مطالعہ اس قدر قوی ہوجائے کہ نصاب کی تکمیل کے بعد طالبِ علم جس فن کی جونسی کتاب بھی چاہے بآسانی سمجھ سکے۔

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں کہ :۔

" اس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ درسِ نظامی کی کتابیں اگر اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لی جائیں تو عربی زبان کی کوئی کتاب لاینحل نہیں رہ سکتی۔ بخلاف درسِ قدیم (درسِ نظامی سے قبل) کے اس سے یہ بات حاصل نہیں ہوسکتی تھی"۔

درسِ نظامی کے روشن اور تاریخ ساز اور آدم گر نصابِ تعلیم اور دو سو سالہ تجربات کے آئینہ میں بغیر کسی ریب و تردد کے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ درسِ نظامی کا فاضل اور فارغ التحصیل مشکل سے مشکل نظریہ اور جدید علوم کو سمجھنے کی پوری صلاحیت اور قابلیت رکھتا ہے۔ مثلاً بطلیموسی یا فیثاغورثی علم ہیئت سمجھنے والا آج بھی یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ محض مطالعہ سے جدید ہیئت و جدید فلسفہ اور سائنس کو سمجھ لے۔ کیا شرح چغمینی، صدرا، شمس بازغہ اور شرح اشارات سمجھنے والا یہ صلاحیت نہیں رکھتا کہ جدید طبیعات و ریاضیات کی کتابوں کو سمجھ سکے۔

درسِ نظامی کی دوسری خصوصیت علامہ شبلی نعمانی نے یہ بیان فرمائی ہے کہ :۔

"درسِ نظامی کو قدیم نصاب پر اس لئے ترجیح حاصل ہے کہ ایک متوسط الذہن طالبِ علم سولہ سترہ برس کی عمر میں تمام کتبِ درسیہ سے فارغ ہوسکتا ہے چنانچہ علماء فرنگی محل میں اکثر اتنی ہی عمر میں فارغ ہوجاتے ہیں"۔

علامہ شبلی نعمانی تیسری خصوصیت یہ تحریر فرماتے ہیں کہ

" اس نصاب میں جس قدر فقہ کی کتابیں رکھی گئی ہیں ان میں معقولی استدلال سے کام لیا گیا ہے۔ اس لئے اس نصاب سے وہ تقشف ظاہر پرستی اور مذہب کا بے جا تعصب پیدا نہیں ہوتا۔ جو سطحی فقہا کا خاصہ ہے۔

درسِ نظامی جس پر آج دستِ ستم دراز ہے اور ایک ایک کرکے سب کتابوں کو نصابِ تعلیم سے یا تو خارج کر دیا گیا ہے یا خارج کرنے کے منصوبے اور تجاویز بن رہی ہیں۔ اس مفید اور بنیادی نظامِ تعلیم کی کس کس کتاب کا نام لیا جائے۔ علمِ حدیث میں صحت و قوت اور عظیم تر مقبولیت کے لحاظ سے محدثِ جلیل امام الحدیث محمد بن اسمٰعیل

کی جامع صحیح سے لے کر درس نظامی کی ابتدائی کتابوں علم الصیغہ، فصول اکبری، نورالایضاح، تہذیب اور ایساغوجی وغیرہ تک کونسی کتاب ہے جس کے بغیر نصاب تعلیم کو مکمل کہا جا سکے۔

علامہ قاضی ناصر الدین بیضاوی کی تفسیر "انوار التنزیل فی اسرار التاویل" جو کشاف کے محتویات کو صاف اور سلیس کر کے مناسب اور ضروری حذف و ترمیم اور جرح و تعدیل کے بعد مرتب کی گئی ہے کو خارج کر کے (وفاق کے مجوزہ نصاب میں اسے خارج کر دیا گیا ہے) یہ توقع عبث ہے کہ طلباء میں اعجاز قرآنی اور تفسیر کشاف کو سمجھنے کی صلاحیت و استعداد پیدا ہو جائے۔ فن بلاغت اور تعبیر عبارت کی سلاست وجودت میں علامہ سعد الدین تفتازانی اور فن منطق میں جلال الدین دوانی اور حمد اللہ سندیلی کے مقابلہ کی وہ کونسی چیز ہے جو مجوزہ نصاب میں رکھی گئی ہو اور یہ بتایا جا سکے یہ ان کا متبادل ہے۔ درس نظامی میں سید السند کو لے لیں جن کے علم کا بحر ذخار تمام علوم و فنون پر حاوی ہے۔ شرح مواقف سے لے کر نحو میر تک ان تمام کی تمام کتابیں افید و انفع ہیں۔ آپ اس قدر نقاد ذہن کے مالک ہیں کہ خطیب قزوینی کی شرح مفتاح دیکھ کر فرماتے

انہ کلحم بقی علیہ ذباب

اب کس کس کتاب کا رونا رویا جائے نحو میر اور اس کی جاندار مختصر مگر پر شکوہ عبارت، میزان الصرف، ضرامیر علم الصیغہ، مراح الارواح اور فصول اکبری اور اس کی خاصیات اور درسی خصوصیات سے طلبہ کے اندر جو ملکہ علمی رسوخ اور پختگی حاصل ہوتی ہے کیا مولانا مشتاق احمد کے اردو رسائل "علم النحو" اور "علم الصرف" سے یہ کمالات حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ یا یہ ان اردو کے رسائل کو مذکورہ کتابوں کا متبادل قرار دیا جا سکتا ہے اور اگر ایک مدرسہ میں مذکورہ ساری کتابیں پڑھائی جا رہی ہوں۔ اور دوسرے میں صرف اردو کے دو رسائل تو کیا دونوں کو ایک برابر سند دینا علمی صلاحیتوں کا خون کر دینے کے مترادف نہیں ؟

مجوزہ نصاب میں اس بات کی اجازت دے دی گئی ہے کہ اگر مدارس چاہیں تو مولانا مشتاق احمد کے اردو علم الصرف کو درس نظامی کے تمام صرفی نصاب کے متبادل اختیار کر سکتے ہیں ——— حالاں کہ یہ اردو رسائل اس مختصر نصاب میں داخل ہونا چاہئے جن کو درس نظامی کی تحصیل نہیں بلکہ عدیم الفرصتی کی بنا پر صرف عربی علوم سے مناسبت کے لئے دو تین سال صرف کر کے طلباء پڑھنا چاہیں انسب بھی یہی ہے۔

تحقیق و تدقیق، سوال و جواب اور تشحیذ اذہان جو درس نظامی کے مزاجی خصوصیات سے ہے۔ ان ہی خصوصیات کے بقاء تحفظ اور استحکام کے لئے علامہ عبدالحیؒ لکھنوی نے بھی ضرورت محسوس کی اور معلمین کو دوران درس، درس نظامی کا مخصوص انداز تدریس اپنانے کے لئے "التبیان" کے نام سے میزان الصرف تک کی شرح تحریر فرمائی۔

علامہ ابن حاجب کی اختصار پسندی اور منجھے تلے جملے جن میں بال برابر حک واضافہ کی گنجائش نہیں ہے علامہ عبدالرحمٰن جامی کے قیود واعتراضات یا صدر الشریعہ کا پارعب اور باوقار طرز بیان جس میں کچھ شوشے نکالنے کے لئے علامہ تفتازانی جیسوں کی کوششیں بھی ناکام رہیں۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جس سے طلبہ کی ذہانت بڑھتی اور ملکہ منجھتا ہے۔ حیرت ہوئی تو اس بات پر کہ مجوزہ نصاب سے شرح جامی (مبنیات) بھی خارج کردی گئی ہے فیاللعجب۔ اور اس کا نعم البدل کچھ بھی نہیں۔ اور وہ کونسی چیز ہو سکتی ہے جسے اس کا نعم البدل قرار دیا جا سکے۔

علامہ محب اللہ بہاری کی دونوں درسی کتابوں کو لے لیا جائے جن میں سلم العلوم تو منطق کی کلیات مسلمات خلافیات اور بلند وبالا تحقیقات کا ایک شاہکار ہے۔ اور اصول فقہ میں مسلم الثبوت بھی مسلّم الثبوت ہے جس میں علامہ محب اللہ بہاری نے مسائل خلافیہ، عقلیہ، نقلیہ، کلامیہ اور اصولیہ کو تقلید واتباع سے بالا بالا ہو کر "تعادلھم" اولاً وثانیاً وثالثاً ورابعاً فصاعداً کہہ کر طرز استدلال کا ایک عمدہ اور مختصر ڈھنگ نکالا ہے۔

وفاق کے مجوزہ نصاب میں منطق وفلسفہ اور تمام معقولات کو چھٹی دے دی گئی ہے۔ قطبی تک منطق جو نظر آتی ہے کیا اسے پڑھ لینے کے بعد واقعۃً بھی طالب علم منطق کے مصطلحات سے آشنا ہو جاتا ہے؟ میرے نزدیک قطبی پڑھنے والا منطق کا مبتدی طالب علم ہے۔ ابھی اس نے منطق کے ابجد پڑھنا شروع کئے تھے کہ مجوزین نے کامل سمجھ کر دروازہ ہی بند کر دیا۔ مجوزہ نصاب سے میبذی بھی خارج ہے البتہ شرح عقائد کو بدستور رہنے دیا گیا ہے۔ مسلم الثبوت کا ایک حصہ بھی باقی رکھا ہوا نظر آتا ہے۔ مگر یہ بات سمجھ میں نہ آسکی۔ کہ جس نے صرف قطبی تک منطق پڑھی ہو۔ سلّم العلوم اور ملا حسن وغیرہ اور صدرا وشمس بازغہ وغیرہ سے محروم رہا ہو جیسا کہ مجوزہ نصاب نے محروم کر دیا ہے تو ایسے طالب علم کو مسلم الثبوت اور شرح عقائد اور ان کے منطقی استدلالات[۱] قضایا اور نتائج کیسے پڑھائے اور سمجھائے جائیں گے۔ بعلاوہ سمجھے گا کیا؟ چاہئے تو یہ کہ نصاب تعلیم کو اس قدر جاندار بنایا جائے کہ اسلاف کے علوم ومعارف سے وابستگی مضبوط اور علمی سلسلہ مربوط ہو مگر مجوزہ نصاب میں جو راستہ اختیار کیا گیا ہے اس سے امام رازی اور امام غزالی تو کجا کرہ گئے امام الہند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی باتوں کو سمجھنے کی صلاحیت بھی پیدا نہ ہو سکے گی۔

درس نظامی کا ایک خاص مزاج یہ ہے کہ خالص علوم یعنی قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم میں ذہانت جودت، ذکاوت اور تحقیق وگہرائی اور گہرائی پیدا کرنے کے لئے طلبا کی دماغی صلاحیتوں کو خوب ابھارا جاتا ہے۔ اور دماغی ورزشوں والے علوم کے اکھاڑوں میں ان سے کشتیاں اور مشقی کرتب کرائے جاتے ہیں۔ اور

---

[۱] مسلم الثبوت کو علامہ بہاری نے منطقی انداز میں تحریر فرمایا ہے مقالہ اولیٰ میں لکھتے ہیں۔ ومنہا المنطیقیۃ لانہم جعلوہ جزأ من الکلام وقد فرغنا عنہا فی السلّم۔

ان کے ذہنوں سے تحقیق و تنقید، تجسس و تدقیق اور بحث و تمحیص اور دماغی بیداریوں کا کام لیا جاتا ہے جس سے غور و فکر کا اعلیٰ ملکہ پیدا ہوتا ہے یہی وہ چیز ہے جسے درس نظامی کی روح قرار دیا جا سکتا ہے۔ بقول حضرت الاستاذ و شیخنا المکرم شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کے "مجوزہ نصاب" درس نظامی کی اس روح سے یکسر خالی ہے۔ یہ بھی غلط اور بے بنیاد سوال ہے کہ درس نظامی کے طالب علم کو عربی ادب پر عبور حاصل نہیں ہو سکتا۔ علامہ قاسم نانوتوی شیخ الہند اور علامہ انور شاہ کشمیری کی عربی دانی کو نسے نصاب تعلیم کی مرہون منت ہے۔ لامع الدراری کے مصنف، کوکب الدری کے مرتب و محشی فتح الملہم کے مصنف، اوجز المسالک کے مصنف بذل المجہود کے مصنف و محشی، اعلاء السنن کے مصنف معارف السنن کے مصنف اور دیگر سینکڑوں عربی کتب و شروح کے مصنفین درس نظامی ہی کے فاضل اور فارغ التحصیل ہیں بلکہ نزہۃ النظر کا مصنف بھی وہی ہے جس نے تاریخ اور عربی ادب کا ذوق و ملکہ درس نظامی سے حاصل کیا ہے۔

آخر جس نصاب میں مفید الطالبین، روضۃ الادب، نفحۃ العرب، نفحۃ الیمن، مقامات، متنبی اور حماسہ کے علاوہ قصیدہ بردہ، قصیدہ بانت سعاد جیسی اہم ادبی و معیاری کتابوں کو تحقیق و تدقیق سے پڑھایا جائے ہر لفظ کی تحقیق، ہر صیغہ کی تحقیق، ہر جملہ کی ترکیب۔ بلکہ پڑھاتے وقت الفاظ کے بالوں کی کھال تک اتار دی جائے تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے پڑھنے والے عربی ادب سے محروم رہیں گے۔

البتہ ایک اعتراف ہمیں بھی ہے۔ اور ہم سے پہلوں کو بھی، کہ ہمارے ہاں عربی، بطور عربی لینگویج کے نہیں پڑھائی جاتی۔ یہ ایک خامی ہے جس پر غور کیا جا سکتا ہے۔ اور جس کے لئے ایک صحیح اقدام کی ضرورت ہے۔

خلاصہ یہ کہ درس نظامی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ طلبار کی استعداد اور صلاحیتوں کو مانجھ مانجھ کر ان کی کایا پلٹ کر رکھ دیتا ہے۔ مستقبل کی تعمیر میں ماضی کے تجربات کو یکسر فراموش کر دینا کوئی دانشمندانہ اقدام نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ماضی میں درس نظامی کی اصلاح کے عنوان و تحریک سے جو مختلف مدارس قائم ہوئے تو کیا وہ کوئی انقلاب برپا کر سکے۔ ندوۃ العلمار لکھنو۔ مدرسہ الٰہیہ کانپور۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔ جامعہ اسلامیہ دہلی۔ جامعہ عباسیہ بہاولپور ان سب چوٹی کی درسگاہوں کو جو درس نظامی کی اصلاح کا تجربہ گاہ بنایا گیا۔ کیا اس کے مفید اور انقلاب انگیز نتائج کی نشاندہی کی جا سکتی ہے ؟ کیا بتایا جا سکتا ہے کہ وہ زندگی میں کوئی مفید اور کامیاب انقلاب برپا کر سکے ہوں۔ خود سید سلیمان ندوی کی زندگی میں جو انقلاب آیا یا آج سید ابوالحسن علی ندوی کو جو عظمتیں حاصل ہیں اس کا اصل سبب بھی یہی ہے کہ ان حضرات نے درس نظامی کے فضلار سے اپنے ربط و تعلق کو اتنا مربوط اور مضبوط کیا کہ دوسرا پہلو پہنے کی علامت بن کر رہ گیا۔

ضرورت نصاب کے بدلنے کی نہیں بلکہ جزوی اصلاح کی ہے۔ یکسر نصاب کو پلٹ کر رکھ دینا اسلاف کی کاوشوں

پر پانی پھیر دینے کے مترادف ہے۔ بڑا دکھ پہنچا کہ مجوزہ نصاب میں مولانا رشید احمد گنگوہی۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی مولانا محمود الحسن۔ مولانا اشرف علی تھانوی علامہ انور شاہ کشمیری اور مولانا حسین احمد مدنی کے دورۂ حدیث کو بھی توڑ دیا گیا ہے ع

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اگر اس طرح راستہ کھول دیا گیا تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ آئندہ اخلاف اس کا حلیہ اور کیا بگاڑیں گے۔

حضرت العلامہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب جن کی ساری زندگی درس نظامی سے وابستہ رہی یہی پڑھتے اور پڑھاتے رہے۔ ہر فن اور ہر کتاب کے بارے میں ان کی رائے کو بلا ریب قول فیصل قرار دیا جا سکتا ہے افسوس کہ سید ابوالحسن علی ندوی جیسے یگانہ روزگار بھی نصاب تعلیم سے متعلق حضرت شیخ الحدیث کے نظریہ کو اپنی "تالیف" سوانح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا" میں جگہ نہ دے سکے۔

حضرت شیخ الحدیث آپ بیتی صہ ۲۱۱ میں تحریر فرماتے ہیں۔

" اسی طرح یہ ناکارہ تبدیل نصاب کا بھی سخت مخالف ہو گیا...... اپنی ابتدائے مدرسی میں تو تبدیل نصاب کا خبط مجھ پر بھی سوار تھا۔ شطرنج کے کھلاڑیوں کی طرح میرا دماغ دن رات ان ہی میں گھومتا رہتا تھا...... لیکن جوں جوں تدریس کا زمانہ یا تجربہ بڑھتا رہا تبدیل نصاب کا خبط میرے دماغ سے نکلتا رہا۔ ایک دو کتاب کا تغیر علوم آلیہ میں ہو جائے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ لیکن فقہ، اصول حدیث و تفسیر اور علوم آلیہ کی اہم کتب کافیہ شرح جامی جیسی کتب میں تغیر کا بالکل قائل نہیں....... بڑی وجہ یہ ہے کہ انگریزی نصاب کے آئے دن کے تغیرات دیکھ کر یہ اندازہ ہوا کہ اگر مدارس عربیہ میں بھی یہ سلسلہ شروع ہو گیا اور ہر دس بارہ برس کے بعد نئی نسل اپنی جولانیاں دکھانی شروع کرے گی۔ تو یہ نصاب رفتہ رفتہ وہ شیر بن جائے گا جس کی تصویر اپنی کمر پر کھچوانی چاہی تھی لیکن دُم، ہاتھ، پاؤں، ناک، کان اور ہر ایک کے بنانے میں جو تکلیف ہوئی تو وہ یہ کہہ کر انکار کرتا رہا کہ بقیہ دم کے بغیر بھی شیر ہوتا ہے۔ اور بغیر ہاتھ کے بھی تو شیر ہوتا ہے۔ (۲) ہر محقق اور با اثر یہ چاہے گا کہ اس کی تصنیف ضرور داخل نصاب ہو جس کی نظیریں اپنی ابتدائے مدرس سے لے کر اب تک رہا خوب دیکھیں لیکن درس نظامی کو اللہ نے وہ مقبولیت عطا فرمائی ہے کہ اس میں عمومی کھپت کی گنجائش نہیں رہی (۳) مروج نصاب کے شروح و حواشی ضرورت سے زیادہ لکھے گئے ہیں۔ متبدل نصاب کی اتنی خدمت کرنے والے میرے خیال میں اب پیدا نہیں ہوں گے۔

لیجئے حضرت العلامہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی رائے گرامی بھی سنتے جائیے۔ فرماتے ہیں کہ:-

ڈھاکہ میں علمائے کرام کا اجلاس تھا۔ عصری علوم کا نصاب مروجہ کے ساتھ جوڑ کا مسئلہ زیر بحث تھا...... ...... میرے دل میں بھی اس وقت یہ خیال آیا کہ علوم عصریہ کو داخل نصاب کرنے میں کیا حرج ہے ...... رات کو

خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسجد میں کھڑا ہوں اور سامنے چٹائی بچھی ہے اور اس میں یہ عبارت بنی ہوئی ہے ۔
" النجاۃ فی علوم المصطفیٰ " ، اور فرمایا کہ اس خواب میں پھر میں دونوں کانوں میں انگلیاں ڈال کر پوری قوت کے ساتھ ان کلمات کے ساتھ اذان دیتا ہوں۔

" النجاۃ فی علوم المصطفیٰ سید السادات " آخری کلمے سید السادات میں نے خود بڑھائے ہیں فرمایا کہ صبح جاگنے کے بعد دل میں سے خیال نکل گیا اور یقین ہو گیا کہ اس دور میں بھی صرف علم نبوت سے کامیابی ممکن ہے ، عصری علوم کا جوڑ بالکل بے معنی ہے ۔

مجوزہ نصاب میں مضامین کی کثرت ، وقت کی قلت اور کتابوں کی بھرمار ہے ۔ ایک ہی روز میں مسلسل گیارہ بارہ کتابیں پڑھاتا ، جب کہ ہر کتاب تحقیق طلب اور بحث طلب ہو گیارھویں (جو درحقیقت درس نظامی کا تیسرا درجہ ہے) سے لے کر سولھویں (دورۂ حدیث) تک وہ کونسی کلاس ہے جس کا کوئی ایک پیریڈ ، مطالعہ و تکرار یا تفریح کے لئے فارغ ہو ۔

کتابوں کا حجم ، بحث و تحقیق ، اوقات اور ان کی تقسیم ، نئے مضامین انٹر اور بی اے کی کتب (جیسا کہ مجوزہ نصاب میں ان کے مطالعہ و استفادہ بھی ضروری قرار دیا گیا ہے ۔) سب کچھ کو مدنظر رکھ کر کافی غور و خوض کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ : ۔

۱ ۔ مجوزہ نصاب کی رو سے طالب علم کو تمام دن ذہنی آسودگی اور تفریح کا کوئی وقت نہیں ملے گا ۔

۲ ۔ اسباق کے تسلسل سے ذہن اور دماغ پر شدید بوجھ پڑے گا اور دماغی سکون حاصل نہ ہو سکے گا ۔

۳ ۔ تکرار اور مطالعہ کے لئے بھی وقت نکالنا مشکل ہو جائے گا اور اگر کچھ وقت مل بھی جائے تو سارے دن کا تھکا ہارا طالب علم مطالعہ کی ہمت کیسے کرے گا اور اگر مطالعہ کرے بھی تو کس کس چیز کا ۔

۴ ۔ مدرسین بھی تکمیل نصاب اور وقت کی کمی کی وجہ سے پڑھاتے وقت اختصار اور تیز رفتار سے کام لیں گے جس سے درس نظامی کی اصل روح (بحث و تحقیق اور سوال و جواب) مجروح رہے گی ۔

وفاق المدارس کے ارباب حل و عقد کو بھی مجوزہ نصاب کے بارے میں " ردعمل " کے پیش نظر ۲۰ نومبر ۱۹۸۳ء کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں نصاب کمیٹی میں مزید چودہ ارکان کا اضافہ کرنا پڑا ۔ اب گویا اکیس ۲۱ ارکان پر مشتمل کمیٹی نصاب تعلیم کی تشکیل جدید کرے گی ۔ جس کا پہلا اجلاس مارچ کے وسط میں ملتان میں ہوگا ۔

ہم بھی اس سلسلہ میں نصاب کمیٹی کے فاضل ارکان کو چار بنیادی اور اصولی نکات فراہم کرتے ہیں اگر انہیں ملحوظ رکھا گیا تو یقین ہے کہ بعد کا ردعمل حوصلہ افزا رہے گا ۔

۱ ۔ درس نظامی کو جوں کا توں باقی رکھا جائے ۔ البتہ نظم و ضبط اور درجہ بندی کی ضرورت کے پیش نظر اس کی تشکیل

جدید کی جائے۔

۲۔ منطق کی ادنیٰ کتابوں سے لے کر اعلیٰ تک سب کو حسبِ معمول پڑھایا جائے۔ البتہ ملا حسن سے اوپر کی کتابوں کو اگر شدید ضرورت ہو تو درجۂ تخصص میں بھی رکھا جا سکتا ہے۔

۳۔ عربی ادب (تحریر و تقریر) پر خاص توجہ دی جائے اور اگر ضرورت ہو تو اس سلسلہ میں مفید کتابوں کا اضافہ کیا جائے۔

۴۔ نصابِ تعلیم کا واحد مقصد "الدین" ہو۔ ماضی میں یہی مقصد رہا اور آئندہ بھی باقی رہے۔ "الدنیا" کا کسی قسم کا پیوند لگانے کی اجازت نہ دی جائے۔

مجوزہ نصاب کی تشکیل کا اصل سبب یہی بتایا جا رہا ہے۔ اور اس کا اعتراف بھی سب کو ہے کہ حالات کے تقاضے زمانہ کی رفتار، یونیورسٹی اور کالج کے معیار کے ساتھ چلا جا سکے...... اور ایک ایسا نصاب بنایا جائے........ وہ بھی سمجھ سکیں کہ واقعتہً اس میں سولہ برس صرف ہوئے ہیں۔ اور واقعتہً یہ نصاب ایم۔ اے کے برابر ہے۔ اور غالباً یہی چیز غالب تھی کہ انٹر اور بی اے کی کتب کے علاوہ دسیوں مضامین کے غیر مربوط کتابوں کے پشتارہ سے بے چارے طلبا اور اساتذہ کی پیٹھ لاد دی گئی ہے۔

مگر یاد رہے کہ ملت اسلامی کی علمی تاریخ میں یہ حقیقت مسلّم ہے کہ علمی و روحانی کمالات کو دنیوی جاہ و منصب کی خواہش سے کم تعلق رہا ہے۔ سلسلۂ انتظام، اصول ترقی، انضباط قواعد اور کثرت مصارف کے لحاظ سے جس قدر بھی بلند معیار تک پہنچ جائیں اور ان کے فضلاء کو کثرت سے اہم ملکی عہدے ملتے رہیں مگر یاد رہے کہ جس قدر بھی تحصیل جاہ و منصب کا پلہ بھاری ہوتا جائے گا علمی کمالات کا وزن کم ہوتا ہو جائے گا یہی وجہ ہے کہ ترکوں کے مدارس سے چھ سو برس کی مدت میں ایسے لوگ بہت کم اٹھے جو حکیم یا محقق کا لقب حاصل کر سکے ہوں۔

۴۵۷ھ کو نظام الملک طوسی کے ہاتھوں نظامیہ بغداد (جو ایک بہت بڑی اسلامی یونیورسٹی تھی) کی بنیاد رکھی گئی۔ دس ذیقعدہ ۴۵۹ھ کو اسے بڑی شان و شوکت سے کھولا گیا۔ علماء اور عام طلباء کے لئے بھی شاہی دربار سے وظائف اور تنخواہیں مقرر ہوئیں مگر جب ماوراء النہر کے علماء کو نظامیہ کے قائم ہونے کے حالات سے اطلاع ہوئی تو سب نے ایک مجلسِ ماتم منعقد کی اور اس بات پر روئے کہ

"اب علم علم کے لئے نہیں بلکہ جاہ و ثروت حاصل کرنے کے لئے سیکھا جائے گا۔"

مولانا حفیظ الرحمن صاحب
نائب مدیر جامعہ سعیدیہ اوگی

مشاہیر علماء ہزارہ

مولانا عبدالحنان بیلیانی

جیساکہ ہزارہ ڈویژن سارے ایشیا بلکہ دنیائے اسلام میں شہدائے بالاکوٹ کی تحریک احیاء دین کی وجہ سے نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اسی طرح علم وفضل کے اس سرسبز وشاداب خطہ نے مختلف ادوار میں ملک وقوم کو زندگی کے مختلف میدانوں میں قابلِ فخر اور مایۂ ناز رجال کار بھی مہیا کئے ہیں۔

بطل جلیل حضرت مولانا غلام غوث مرحوم کی سیاسی اور مذہبی خدمات، حضرت مولانا رسول خان مرحوم کی دارالعلوم دیوبند میں علمی جلالت اور تدریسی خدمات اور حضرت مولانا غلام نبی مرحوم کی درویشانہ زندگی، علوم عقلیہ ونقلیہ میں مہارت تامہ اور تدریسی خدمات پر ہزارہ ہمیشہ فخر کرتا رہے گا۔ ان کے علاوہ بھی خدا جانے کتنے روشن ضمیر اور مجاہدین قوم وملت ہزارہ کے پہاڑی علاقوں میں پنہاں ہیں۔ بدقسمتی سے جن کے حالات قلم بند کرنے کی طرف نہ تو کسی نے توجہ دی اور نہ ان کو خود یہ خیال گزرا کہ اپنے حالات آئندہ نسل کے لئے محفوظ کرلیں۔

ہزارہ کے ان باکمال علماء میں جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا عبدالحنان صاحب بیلیانی المعروف "بیلو مولوی صاحب" بھی اپنے دور کے ایک نامور عالم دین اور عظیم محقق گزرے ہیں۔ جنہوں نے اپنی ساری زندگی قرآن و حدیث کی خدمت، علوم نبوی کی اشاعت اور اسلام کی آبیاری میں صرف کردی۔

مولد ومسکن | غالباً ۱۹۰۲ء میں آپ تحصیل وضلع مانسہرہ کے مشہور گاؤں "بیلیاں" میں پیدا ہوئے آپ کے آباؤ اجداد کو نسلاً بعد نسل اہل علاقہ کا اعتماد، ذاتی وجاہت اور دینی سیادت حاصل تھی۔ آپ کے دادا حضرت مولانا عبداللہ مرحوم وقت کے جید عالم تھے۔ جنہوں نے علاقہ آلائی کے ٹنڈول سے ترک سکونت کرکے اگرور کے بیلیاں نامی گاؤں میں رہائش اختیار کی۔ آپ کے والد حضرت مولانا عبدالمنان مرحوم بھی وقت کے نامور عالم دین، متورع، متقی، عبادت گزار اور سخی بزرگ تھے۔

تعلیم وتربیت | بچپن ہی سے آپ کو خوش خلقی اور خدا ترسی کی دولت ملی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ دینی علوم کے حصول کا جذبہ بھی موجزن تھا۔ آپ نے ابتدائی کتب دینیہ کی تعلیم اپنے والد ماجد سے

حاصل کی۔ بعدازاں وقت کے یکتا اور مشہور اساتذہ سے حصول فیض کے لئے مختلف مقامات کے سفر کئے۔ معقولات کی کتابیں آپ نے ضلع مانسہرہ کے مشہور عالم حضرت مولانا قاضی غلام نبی گینڈر پلوری سے پڑھیں۔ ریاضی اور ہیئت کے کتب پڑھنے کے لئے آپ نے تحصیل بٹگرام کے مشہور ریاضی دان حضرت مولانا فریدالدین بن سیری کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کئے۔ اس کے علاوہ قبائل ملحقہ ہزارہ اور علاقہ چھچھ کے چیدہ چیدہ علماء سے بھی کسب فیض کیا۔

مختلف علوم وفنون اور علوم عربیہ کے حصول کے بعد آپ ہندوستان تشریف لے گئے اور عالم اسلام کی مشہور اور عظیم یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا۔ یہ وہی موقع تھا جب دارالعلوم دیوبند کے اکثر مشائخ واساتذہ بعض عارضی وجوہات سے دارالعلوم دیوبند کو الوداع کہہ کر جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے تھے۔

تو آپ ان طلباء میں شامل تھے جو بجائے ڈابھیل کے محدث کبیر حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں مظاہر العلوم حاضر ہوئے۔ اور وہیں حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ کے علاوہ حضرت مولانا عبدالرحمٰنؒ بہبودی کاملپوری سے دورۂ حدیث پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

درس وتدریس | طالب علمی کے دوران بھی آپ درس نظامی کے اکثر کتب کی تدریس کرتے رہے۔ مظاہر العلوم سے فراغت کے بعد آپ نے اپنی تمام تر توجہ درس وتدریس پر مرکوز کر دی۔ آپ کے علوم اور تدریسی انداز میں آپ کے جید اساتذہ کا رنگ غالب تھا۔ اس لئے آپ نے اپنے ہی گاؤں میں جب تدریس شروع کی تو آپ کا حلقہ تلامذہ بہت وسیع ہوگیا۔ چنانچہ پشاور اور کابل کے علاوہ کوہستان اور آلائی کے طلباء نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی علمی پیاس کو بجھایا۔

علمی شہرت کی وجہ سے علمی حلقوں کی دعوت نے آخر کار آپ کو دوبارہ سفر کرنے پر مجبور کیا۔ چنانچہ لاہور میں مختلف مدارس، علاقہ چھچھ اور راولپنڈی کے دارالعلوم تعلیم القرآن جیسے مدارس میں دورۂ حدیث کا درس دیا۔ اور سنن ابوداؤد جیسی اہم کتب زیر تدریس رہیں۔

علمی خدمات | علاقہ کے عوام وخواص کے اصرار پر اور اپنے فرزند ارجمند حضرت مولانا سعیدالرحمٰن صاحب کے جذبۂ دین کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ نے الگرو کے مرکزی مقام اوگی میں "دارالعلوم سعیدیہ" کے نام سے ایک دینی ادارہ قائم کیا۔ جو بحمداللہ تاحال قائم ہے۔ جس میں دس اساتذہ سینکڑوں طلباء کی علمی پیاس بجھا رہے ہیں۔ آپ کے علمی ذوق کی وجہ سے آپ کی اولاد میں درجن سے زائد افراد حافظ قرآن ہیں۔ اور پانچ بیٹے مستند اور بہترین عالم د فاضل ہیں۔ جو تمام کے تمام دینی دعوت اور درس وتدریس میں مشغول ہیں۔

علم وہدایت کا یہ آفتاب ۱۰ محرم ۱۴۰۱ھ بروز اتوار اس عالم فانی سے غروب ہوا۔ فرحمہ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ۔

افکار و اخبار

* میاں محمد عمر چمکنیؒ اور قاضی عبدالحلیم اثر
* ڈنمارک کا مرکز ثقافت اسلامی

قاضی عبدالحلیم اثر وضاحت فرمائیں | الحق کے فروری ۱۹۸۳ء کے شمارہ میں جناب عبدالحلیم اثر صاحب کا مضمون بعنوان " مآثر طور و " نظر سے گذرا جس میں ایک ذیلی عنوان " سیادت " کے تحت حضرت میاں محمد عمر چمکنی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے جو تفصیل بیان کی گئی ہے اس کے بارے میں راقم کے نزدیک مندرجہ ذیل امور کی وضاحت ضروری ہے۔

اول یہ کہ جناب اثر صاحب نے حضرت میاں محمد عمر چمکنیؒ کے دادا کلا خان کا نام " عبدالخالق " عرف کلا خان بتایا ہے جو اس سلسلے میں موصوف کا پہلا انکشاف معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ نہ تو یہ نام (عبدالخالق) حضرت میاں صاحب کی اپنی تصنیفات میں کہیں مذکور ہے نہ آپ کی اولاد اور مریدین کی کتابوں میں موجود ہے۔ اور نہ معاصرین اور متاخرین تذکرہ نگاروں کے بیانات میں کہیں اس کا ذکر آیا ہے حتیٰ کہ جناب اثر صاحب نے خود بھی اپنی کتاب " روحانی رابطہ " کے صفحہ ۲۵۶ پہ حضرت میاں صاحبؒ کی چار تالیفات یعنی توضیح المعانی، شمائل نبویؐ، المعالی اور ظواہر السرائر کے حوالہ سے ان کا شجرہ نسب " محمد عمر بن ابراہیم بن کلا خان " الخ تحریر کیا ہے۔

حضرت میاں محمد عمر چمکنی توضیح المعانی میں اپنا نسب نامہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

" نوم ځما د پلار کوره که ستا وی اوس پکار
نوم مے ابراہیم دے ورته ځه کوم اظہار
پلار د ابراہیم دے کلا خان او کړه یا در
پلار د کلا خان دے فقیر جان چه مقرر "

یعنی میرے باپ کا نام اگر درکار ہے تو میں تم کو بتا دیتا ہوں کہ ان کا نام ابراہیم ہے۔ اور یقین کرو کہ ابراہیم کے باپ کا نام کلا خان ہے۔ اور کلا خان کے باپ کا نام فقیر جان مقرر ہے۔ شمس الہدیٰ (قلمی) کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ ہذا الکتاب تالیفی واسمی محمد عمر بن ابراہیم بن کلا خان۔ حضرت میاں صاحب چمکنیؒ کے فرزند اکبر حضرت صاحبزادہ محمدیؒ " مقاصد الفقہ (قلمی) " میں بیان فرماتے ہیں کہ :-

" پلار د ابراہیم خان په کلا خان سره مذکور دے
زوئے د فقیر جان وه دا احوال په دے دستور دے "

یعنی ابراہیم خان کے باپ کا نام کلا خان بیان ہوا ہے (کلا خان) فقیر جان کا بیٹا تھا یہ احوال اسی طرح بیان ہوئے ہیں۔
علاوہ ازیں حضرت میاں محمد عمر چمکنی اور آپ کے صاحب زادوں نے اپنے نسب نامہ پر مستقل رسالے بھی قلم بند کیے ہیں۔ مگر کسی تحریر میں بھی اپنے جد امجد کلا خان کا نام "عبدالخالق" نہیں بتایا۔
ان تاریخی حقائق کی روشنی میں ہم وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت میاں صاحب چمکنی کے دادا کا نام کلا خان تھا نہ کہ عبدالخالق۔ ورنہ حضرت موصوف کے دستیاب شجرہ ہائے نسب میں ضرور اس کا ذکر آتا۔
دوم یہ کہ جناب اثر صاحب عنوان مذکور کے تحت بیان فرماتے ہیں کہ حضرت میاں محمد عمر چمکنیؒ اپنی پشتو منظوم تالیف "توضیح المعانی" ص ۹ پر لکھتے ہیں کہ:-

" میں نسلاً افغان ہوں لیکن میرے جد امجد دریائے راوی پنجاب کے مغربی کنارے اور شاہراہ شیر شاہ سوری کے شمال میں موضع فرید آباد میں قیام پذیر تھے۔ اس شاہراہ اور فرید آباد کے درمیان ایک موضع سیدان والا ہے جہاں سید محمد گیسو دراز الحسینی کی نسل کے سادات آباد ہیں۔ میرے جد امجد عبدالخالق عرف کلا خان (کلان خان) کی بیوی اسی سیدان والہ کے سادات خاندان سے تھیں اور میرے والد اس سیدہ کے فرزند تھے۔"

مندرجہ بالا پورا بیان حضرت میاں صاحب چمکنی کی کتاب "توضیح المعانی" کی طرف منسوب کیا گیا ہے حالانکہ مذکورہ کتاب میں اس بارے میں صرف یہ تحریر ہے کہ:-

" میں نسباً افغان ہوں میرے دادا کلا خان نے فرید آباد میں سکونت اختیار کی۔ یہاں وہ سادات خاندان کی ایک خاتون سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے اس خاتون سے میرے والد ابراہیم پیدا ہوئے۔"

غرض یہ کہ "توضیح المعانی" میں فرید آباد کے محل وقوع، موضع سیدان والہ، نام عبدالخالق، عرف کلا خان (کلان خان) اور موضع سیدان والا میں آباد سادات وغیرہ کا کوئی ذکر موجود نہیں۔ راقم کے نزدیک یہ جناب اثر صاحب کی تحقیق و تخمین کا نتیجہ ہے۔
اس کے علاوہ مضمون نگار نے حضرت میاں صاحب کی جانب منسوب کر کے جو شعر نقل کیا ہے اصل کتاب میں وہ یوں لکھا ہے:-

دی ځما نیکو نه چه پیدا ر سیدے زۀ یمه سید پر دے نسبت په وجه دے

ڈاکٹر محمد حنیف البیوسی ایٹ پروفیسر اسلامیات اسلامیہ کالج پشاور۔

ڈنمارک کا مرکز ثقافت اسلامیہ کوپن ہیگن ڈنمارک کے مرکز ثقافت اسلامیہ کا افتتاح ۱۹۷۳ء میں ایک چھوٹی سی عمارت (NORRE SOGADE - 43) میں ہوا تھا۔ جواب تک مسجد کی حیثیت سے قائم ہے۔ اسلامی سرگرمیوں کی ابتدا اسی مسجد سے ہوئی۔ آہستہ آہستہ مسلمانوں نے اپنے مذہبی فرائض کی ادائیگی میں دلچسپی لی۔ اس لئے

ایک بڑے اور وسیع مرکز کی ضرورت پڑی۔

ڈنمارک میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً پینتیس ہزار ہے جن میں اکثریت ترکی، پاکستان اور مراکش سے تعلق رکھتے ہیں۔

مرکز ثقافت اسلامیہ کی موجودہ عمارت جمعیۃ الدعوۃ الاسلامیہ لیبیا نے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دی ہے۔

موجودہ عمارت ایک مسجد، لائبریری، تین قرآنی مدارس، مطبخ، دفاتر، دارالمطالعہ اور امام کی رہائش گاہ پر مشتمل ہے۔

مرکز کے امور چلانے کے لئے دو کمیٹیاں ہیں۔ ایک اعزازی اور دوسری انتظامی۔

مرکز کا موجودہ امام پروفیسر محمد ادریس ہیں جو اس سے پہلے گورنمنٹ کالج پشاور میں عربی اور اسلامیات کے پروفیسر تھے اور وفاق المدارس العربیہ ملتان کے سند یافتہ ہیں۔

نماز جمعہ اور عیدین کا اہتمام مرکز کرتا ہے۔ خطبہ عربی، انگریزی، اردو اور پشتو میں ہوتا ہے۔ اتوار کے دن پاکستانی بھائی بہنوں کے لئے اردو میں درس ہوتا ہے جس میں سینکڑوں ہم وطن شریک ہوتے ہیں۔ درس کے بعد سوالات جوابات کا سلسلہ ہوتا ہے۔ ہر اتوار کو عربی زبان کی تعلیم دی جاتی ہے جس کا ایک کورس ختم ہو چکا ہے اور دوسرا شروع ہونے والا ہے۔

ہفتہ میں دو دن غیر مسلموں کو اسلامی معلومات بہم پہنچانے کے لئے مخصوص ہیں۔ جن میں ڈینیس سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے طلبا اور اساتذہ اور گرجوں کے پادری مرکز میں آکر لیکچر سنتے ہیں۔ اور اسلام کے بارے میں سوالات کرتے ہیں۔ اب تک ساڑھے تین سو عیسائی اسلام قبول کر چکے ہیں۔

ڈنمارک سے اسلامی ممالک کو جو گوشت، پنیر اور دیگر غذائی مواد برآمد کئے جاتے ہیں۔ مرکز ان کی نگرانی بھی کرتا ہے۔ ہر قصاب خانہ میں دو دو مسلمان قصاب متعین کئے گئے ہیں جن کی منظوری مرکز دیتا ہے۔ وہ خود ذبح کرتے ہیں اور ڈبوں میں بند ہونے تک تمام مراحل کی نگرانی کرتے ہیں۔ اور مرکز کو رپورٹ بھیجتے ہیں۔ مرکز کے امام، سکریٹری اور کسی بھی نمائندے کو کسی بھی وقت قصاب خانہ میں جاکر تحقیق کرنے کا حق حاصل ہے۔

مرکز میں چار قرآنی مدارس ہیں جن میں بچوں کو قرآن پاک (حفظ و ناظرہ) اور اسلام کی بنیادی تعلیمات دی جاتی ہیں ان میں دو مدرسے پاکستانی بچوں کے لئے ایک پاکستانی بچیوں کے لئے اور ایک عربی بچوں اور بچیوں کے لئے ہیں۔

مرکز کی طرف سے مقامی زبان ڈینش میں ایک سہ ماہی رسالہ (ISLAMIC UDSEN) شائع ہوتا ہے جو مقامی مسلمانوں اور غیر مسلموں کو اسلامی معلومات بہم پہنچاتا ہے۔ ایک اور پرچہ "اخبار المسلمین" کے نام سے عربی، انگریزی، اردو اور ڈینش میں شائع ہوتا تھا۔ مگر عارضی طور پر ملتوی ہے۔ مستقبل قریب میں اس کی اشاعت دوبارہ شروع ہو جائے گی

مرکز کی نئی عمارت کے لئے کوپن ہیگن میں اسلامی ممالک کے سفیروں کی کوشش سے ایک بہت بڑا پلاٹ مل چکا ہے اس کی مجوزہ تعمیر انشاء اللہ اسلامی ملکوں کے تعاون سے پوری ہو جائے گی۔ مرکز کے نئے مجوزہ منصوبے میں مسلم آبادی کی تمام ضروریات کا خیال رکھا گیا ہے۔ اور امید ہے کہ مسلمانوں کے مسائل حل کرنے میں مدد مل جائے گی۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

خط و کتابت کے لئے پتہ : ..... محمد ادریس امام مرکز ثقافت اسلامیہ کوپن ہیگن ڈنمارک

سی اینڈ ڈبلیو ڈیپارٹمنٹ این ڈبلیو ایف پی پشاور

نوٹس نیلام (سہ بارہ)

ہر خاص و عام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ مورخہ 26.2.86 اور 27.2.86 کو نوشہرہ بوٹ برج اور مصری بانڈہ بوٹ برج کی کشتیوں اور دیگر سامان کے لئے دی گئی نیلامی کی بولیاں مسترد کر دی گئی ہیں لہذا ان بوٹ برجوں کا سامان پہلے سے مشتہر شدہ شرائط و ضوابط کی بنیاد پر مندرجہ ذیل تاریخ کو پھر نیلام کیا جائے گا۔

	نام پل	مقام نیلام	تاریخ و وقت نیلام
۱۔	نوشہرہ بوٹ برج	ایس ڈی او ہائی وے نوشہرہ آفس نوشہرہ	8 3/1986 ۱۰ بجے صبح
۲۔	مصری بانڈہ بوٹ برج۔ نزد اکوڑہ خٹک تحصیل نوشہرہ	ایضاً	

سب سے زیادہ بولی دہندہ کو بولی کی رقم کا ⅓ حصہ موقع پر نقد جمع کرانا ہوگا۔

بولی میں حصہ لینے کے لئے نوشہرہ پل کے لئے مبلغ دس ہزار روپے اور مصری بانڈہ پل کے لئے مبلغ دو ہزار روپے نقد یا کال ڈیپازٹ بحق ایکسین ہائی وے ڈویژن پشاور بطور ضمانت موقع پر جمع کرانے ہوں گے۔

دیگر تفصیلات اور شرائط و ضوابط جن کی پابندی لازمی ہے۔ دفتر زیر دستخطی اور دفتر ایس ڈی او ہائی وے نوشہرہ سے معلوم کی جا سکتی ہیں۔

غلام محمد

ایگزیکٹو انجنیئر

ہائی وے ڈویژن پشاور

فون ۶۶۰۶۳

INF (P) 455

نیویارک کے لئے پی آئی اے کی تیسری پرواز!

—تیز ترین

اسلام آباد - استنبول - فرینکفرٹ - نیویارک

طیارے کی تبدیلی کے بغیر

آرام سے اپنی نشست پر بیٹھ جایئے۔ پھر نیویارک تک آپ کو طیارہ تبدیل کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ پی آئی اے کا کشادہ ڈی سی ۱۰ طیارہ استنبول اور فرینکفرٹ ہوتا ہوا نیویارک پہنچے گا۔ ہفتہ میں دو بار کراچی اور نیویارک کے درمیان پروازیں اپنی جگہ برقرار ہیں۔

اگر آپ چاہیں تو دورانِ سفر استنبول یا فرینکفرٹ میں سے کسی ایک شہر میں قیام کر سکتے ہیں۔

پی آئی اے کی تینوں پروازیں دوپہر میں نیویارک پہنچتی ہیں۔ اس لئے آپکو امریکہ اور کینیڈا کے مختلف شہروں کیلئے رابطہ پروازیں باسانی مل سکتی ہیں۔

دن		منگل	جمعہ	ہفتہ
فلائٹ نمبر		پی کے ۷۰۳	پی کے ۷۱۵	پی کے ۷۱۱
ایئر کرافٹ		ڈی سی ۱۰	ڈی سی ۱۰	ڈی سی ۱۰
کلاس		فرسٹ/اکانومی	فرسٹ/اکانومی	فرسٹ/اکانومی
کراچی	روانگی	۰۰۳۰		۰۱۴۵
اسلام آباد	روانگی		۰۱۰۰	
دبئی	آمد	۰۱۳۵		
	روانگی	۰۲۲۵		
قاہرہ	آمد	۰۴۵۵		۰۳۳۵
	روانگی	۰۶۰۵		۰۵۳۵
استنبول	آمد		۰۶۳۰	
	روانگی		۰۸۰۵	
فرینکفرٹ	آمد	۰۹۲۵	۰۹۰۵	۰۹۰۵
	روانگی	۱۰۳۵	۱۰۳۰	۱۰۳۰
پیرس	آمد	۱۲۰۵		۱۱۳۰
	روانگی	۱۳۳۵		۱۳۱۰
نیویارک	آمد	۱۵۳۵	۱۳۰۵	۱۵۲۰

مزید معلومات کے لئے اپنے ٹریول ایجنٹ یا پی آئی اے کے قریبی دفتر سے رابطہ قائم کیجئے۔

ٹینڈر نوٹس

1- ہیڈکوارٹر فرنٹیئر کور (NWFP) قلعہ بالا حصار پشاور کو جیکٹ انٹرمیڈیٹ کولڈ ویدر پانچ ہزار عدد کی سپلائی کے واسطے ایف۔ آو۔ آر۔ بالا حصار کی بنیاد پر بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک سربمہر ٹنڈر مطلوب ہیں جو دفتر زیرِ دستخطی کو بمعہ سیمپل ۲۴ مارچ ۸۴ء تک پہنچ جانی چاہئیں۔ جو ۲۵ مارچ ۸۴ء کو بوقت گیارہ بجے ٹنڈر دہندگان کی موجودگی میں (اگر موجود ہوں) تو کھولے جائیں گے۔

مطلوبہ اسپیفیکشن (Specification) حسب ذیل ہے:۔

جیکٹ انٹرمیڈیٹ کولڈ ویدر سائز 2، 3، 4، 5

2۔ سپلائی آرڈر جاری ہونے کے ایک ماہ کے اندر سپلائی شروع ہو جائے گی۔ اور تین ماہ کے اندر سپلائی مکمل کی جائے گی۔

3۔ لفافہ پر آئیٹم کا نام ٹینڈر کھلنے کی تاریخ اور بھیجنے والے کا مکمل نام اور پتہ درج ہونا لازمی ہے۔

4۔ سیمپل ٹنڈر کھلنے کی تاریخ سے دو دن پہلے دفتر ہذا میں پہنچ جانا چاہئے۔

5۔ کوٹیشن کے ساتھ کال ڈیپازٹ پیش کردہ قیمت دو فیصدی کے برابر رقم کا بنک ڈرافٹ بنام آئی جی۔ ایف۔ سی فرنٹیئر کور منسلک ہونا چاہیئے۔ کوٹیشن برائے کال ڈیپازٹ یعنی دو فیصدی پیش کردہ قیمت کے قابل قبول نہیں ہوں گے۔

6۔ کامیاب ٹنڈر دہندہ کو منظور شدہ ٹھیکہ کی رقم کا پانچ فیصدی بشکل سیکورٹی ڈیپازٹ بنام آفیسر مذکور بالا فراہم کرنے کے بعد سپلائی آرڈر ملے گا۔

7۔ فراہم کردہ سامان کی پڑتال بمطابق منظور شدہ نمونہ ایک بورڈ کرے گا۔ دورانِ رسید گی کمی بیشی۔ خرابی اور نامنظور شدہ سامان کی ذمہ داری متعلقہ سپلائر کی ہو گی۔

8۔ آئی جی۔ ایف سی یا ان کے جانب سے مجاز آفیسر کو اختیار ہو گا کہ سب یا کوئی ٹنڈر بلا وجہ بتلائے منسوخ کر دیں۔

9۔ اشیاء کی تعداد میں تبدیلی حسب ضرورت کی جا سکتی ہے۔

10۔ مزید معلومات کے واسطے دفتری اوقات میں فون 60435 پشاور پر رابطہ قائم کر سکتے ہیں۔

لفٹیننٹ کرنل

برائے انسپکٹر جنرل فرنٹیئر کور NWFP

(فضل رسول خان)

PID(P)234/8004/10
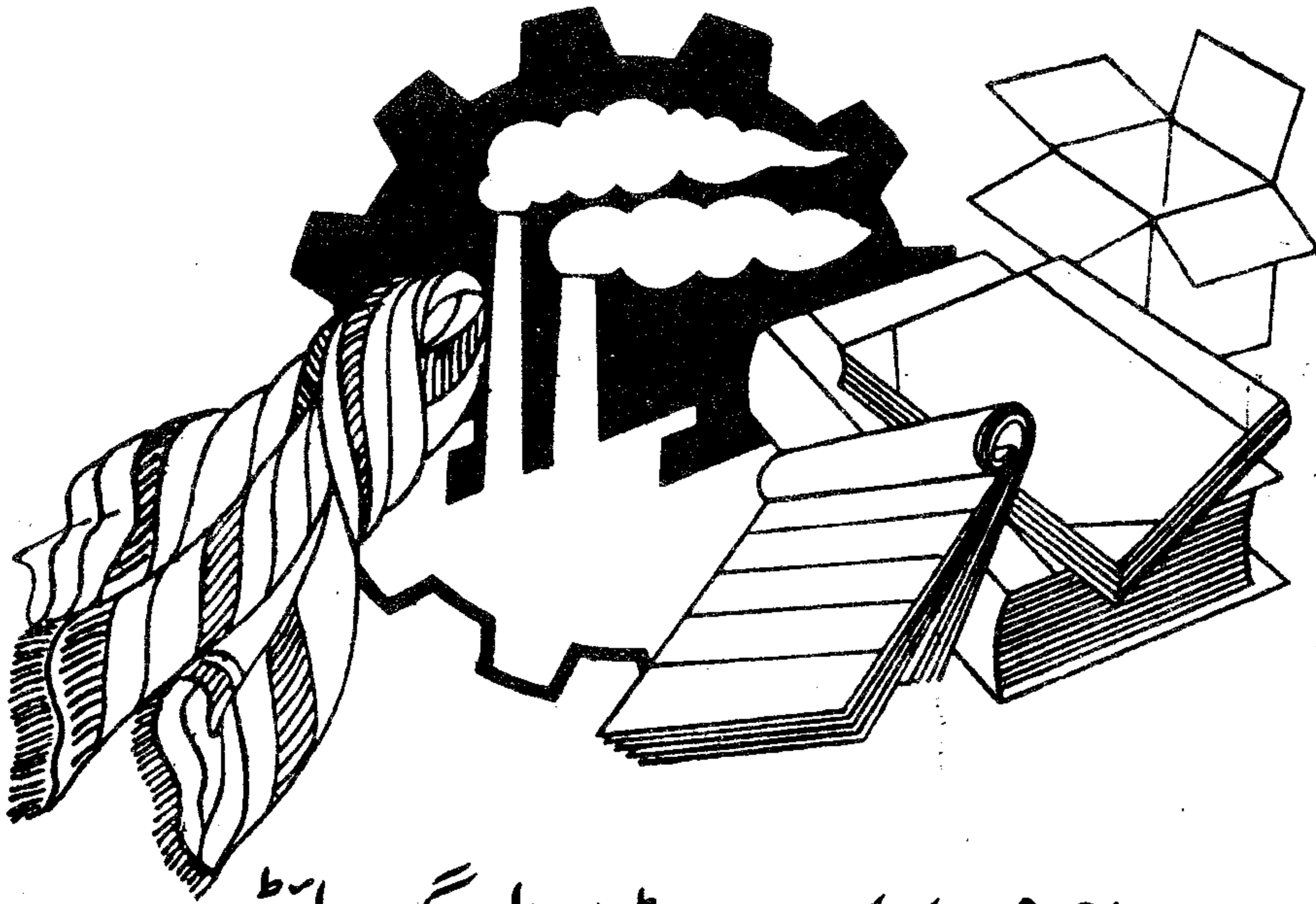
SAFI
صافی
BLOOD PURIFIER
صافی
خون صاف کرنے کی قدرتی دوا
نظام ہضم کو درست کرنیوالی اور مصفی خون جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ صافی اپنے فوائد کیلئے ایشیا میں مشہور ہے خون کی خرابیوں جیسے پھوڑے پھنسی اور مہاسے اور ہضم کی خرابیوں جیسے دائمی قبض، سینے کی جلن نفخ شکم وغیرہ کو درست کرتی ہے صافی معدہ، جگر اور گردوں اور جلد کے قدرتی افعال کو درست رکھتی ہے۔
صافی کی ایک بڑی خوراک چائے کے دو چمچے بچوں کو ایک یا ½ چمچہ
صافی کا ایک ہی وقت استعمال کافی ہوتا ہے۔
ہمدرد
ہمدرد دواخانہ (وقف) پاکستان
صاف اور صحت بخش خون ہی
انسان کی اچھی صحت کا ضامن ہوتا ہے۔
خون میں فاسد مادّوں کی پیدائش سے پھوڑے پھنسیاں،
خارش، دانے اور مہاسے وغیرہ جسم پر نمودار ہونے لگتے ہیں۔
ہمدرد کی صافی خون کو صاف اور صحت مند رکھتی ہے۔
صافی کا باقاعدہ استعمال جلدی بیماریوں
سے محفوظ رہنے اور خون کی صفائی کا مفید ذریعہ ہے
جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ
صافی
سے خون بھی صاف
جلد بھی صاف
ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں
آدابِ اخلاق
بدزبانی ذہن کا سرطان ہے
ADARTS HSF-1/82

حکومت پاکستان

دفتر چیف کنٹرولر آف امپورٹس اینڈ ایکسپورٹس

اسلام آباد۔ مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۸۴ء

امپورٹ ٹریڈ کنٹرول

(پبلک نوٹس)

موضوع:۔ پاک، ڈی پی آر، کوریا بارٹر نمبر ۹ مورخہ ۶ فروری ۱۹۸۳ء کے تحت مال درآمد کرنے کے لئے لائسنسنگ کی بنیاد

نمبر ۱۷ (۸۴) آئی ایم پی۔ I۔ ان درآمد کنندگان کی اطلاع کے لئے مشتہر کیا جاتا ہے جو پاک۔ ڈی پی آر کوریا بارٹر نمبر ۹ مورخہ ۶ فروری ۱۹۸۳ء کے تحت مختلف قسم کا مال درآمد کرنے کے لئے پبلک نوٹس نمبر ۸ (۸۴) آئی ایم پی ۔ I مورخہ ۲۵ جنوری ۱۹۸۴ء کی تعمیل میں درخواست پیش کر چکے ہیں۔ اس سلسلے میں مشینری کے لئے مجاز درخواست دہندگان کو مطلوبہ مالیت کی ۱۰۰ فیصد کی شرح سے درآمدی لائسنس جاری کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

۲۔ امپورٹ لائسنس لیٹر آف کریڈٹ کھولنے کے لئے امپورٹ لائسنسوں کی توثیق کی تاریخ سے ۶۰ (ساٹھ) دن تک اور مال کی شپمنٹ کے ۶ نومبر ۱۹۸۴ء تک موثر العمل رہیں گے۔

۳۔ مجاز درخواست دہندگان کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ اپنے امپورٹ لائسنس فارم اپنے نامزد کردہ بینکوں کے توسط سے زیادہ سے زیادہ ۱۰ اپریل ۱۹۸۴ء تک متعلقہ کاؤنٹروں پر توثیق کے لئے پیش کر دیں۔

دستخط (سعید اے۔ زیدی)

ڈپٹی کنٹرولر

برائے چیف کنٹرولر آف امپورٹس اینڈ ایکسپورٹس

PID (9) ADVT. NO. 4020/12

ایگل
ایک عالمگیر
قلم
خوشخط
رواں اور
دیرپا۔
اسٹیل
کی
سفید
اریڈیم ٹپڈ
نب کے
ساتھ
ہر
جگہ
دستیاب
EAGLE
EAGLE IRIDIUM
آزاد فرینڈز
اینڈ کمپنی لمیٹڈ
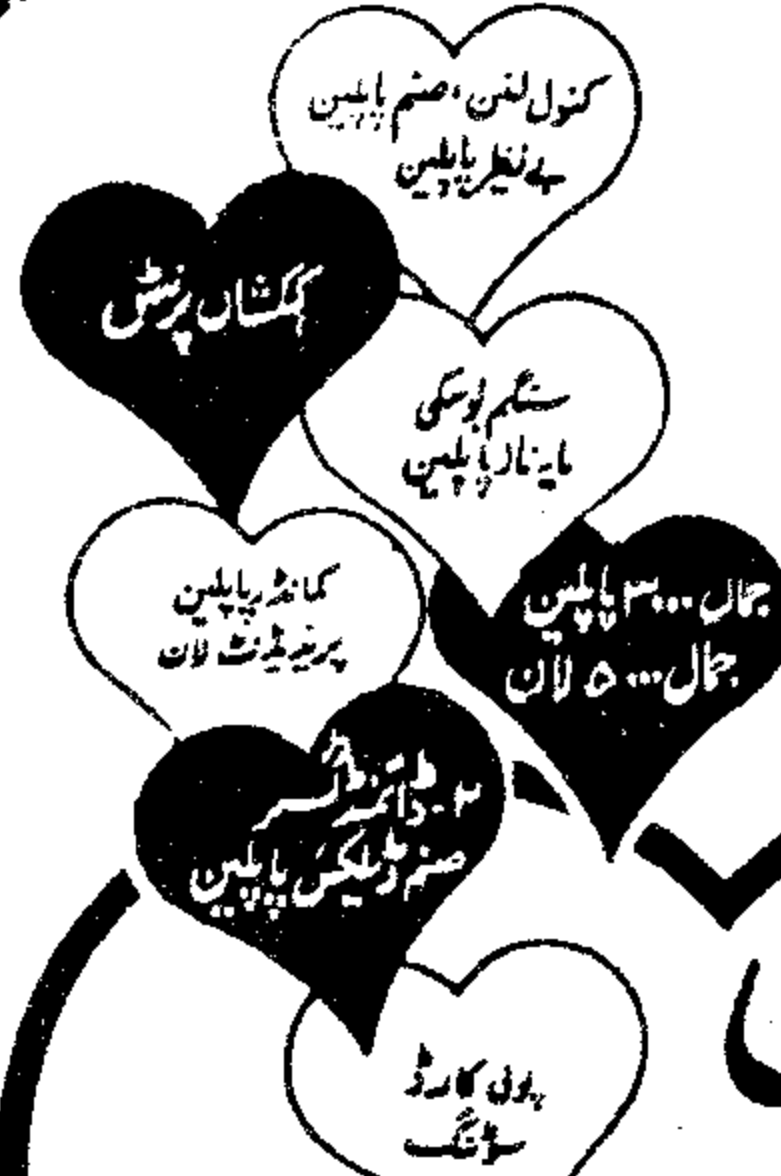
دِلکش
دِلنشیں
دِلفریب
حسین
کے
پارچہ جات
حسین کے خوبصورت پارچہ جات
نہ صرف آنکھوں کو بھلے لگتے ہیں
بلکہ آپ کی شخصیت کو بھی
نکھارتے ہیں۔ خواتین ہوں یا
مرد دونوں کے ملبوسات کیلئے
موزوں۔ حسین کے پارچہ جات
شہر کی ہر بڑی دکان پر
دستیاب ہیں۔
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رَو
حسین ٹیکسٹائل ملز
حسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کا ایک ڈویژن

پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
SOHRAB
سُہراب